لال تاج

از

کرشن چندر

ایشیا پبلشرز
۵۔ بھارگو لین
تیس ہزاری
دہلی

بار اوّل

تعداد۔ ایک ہزار

قیمت۔ ۲/۷۵ روپیہ

عقاب

کاتب:۔ نارائن داس۔سی ۳۳۔کالکاجی۔نئی دہلی

مطبعہ:۔ ہند سماچار پریس۔جالندھر

پروڈکشن:۔ گُرمیر سنگھ

پبلشرز:۔ [illegible]ندر ناتھ

پوّن کے نام

کرشن چندر

۲ر جنوری ۱۹۶۰ء

لال تاج

(۱)

بہت دِن ہوئے، دُورج ندی کے کنارے ایک گاؤں آباد تھا مادھوپور۔ مادھوپور میں ایک لڑکا رہتا تھا، مُنّا اُس کا نام تھا۔ دِن بھر کھیلنا اُس کا کام تھا۔ کیونکہ اُس کی عُمر صرف سات برس کی تھی، اَور وہ اپنے ماں باپ کا لاڈلا لڑکا تھا۔ مُنّا دِن بھر بھیڑ بکریوں کا ریوڑ لئے ندی کنارے گھُوما کرتا اَور بنسی بجایا کرتا۔ اور دُوسرے گڈریوں سے کھیلا کرتا۔

مُنّے کے باپ کا نام ٹھاکر سنگھ تھا۔ ٹھاکر سنگھ ایک کِسان تھا۔ بہت سیدھا بھولا بھالا، مگر دِن رات محنت کرنے

والا۔ ندی کنارے اُس کی کھیتی تھی، جہاں دھان کی فصل ہوتی تھی۔ گاؤں میں جتنے کھیت تھے۔ اُن میں سب سے زیادہ دھان ٹھاکر سنگھ کے کھیتوں میں اُگتا تھا۔ کیونکہ ٹھاکر سنگھ بڑی محنت سے اور بڑے پیار سے اپنے کھیتوں پر کام کرتا تھا۔ دن ڈھلے ٹھاکر سنگھ کھیتوں سے اپنے گھر واپس آجاتا۔ اور اپنی بیوی اور بچے کے ساتھ بیٹھ کر ایک ہی تھالی میں کھانا کھاتا۔ ٹھاکر سنگھ کو اپنی بیوی اور بچے سے بھی اتنی ہی محبت تھی۔ جتنی اُسے اپنے پیارے کھیتوں سے تھی۔

مُنّا کے گھر کے پاس ہی مُنّا کی موسی کا گھر تھا۔ مُنّا کی موسی بڑی زبان دراز اور جھگڑالو عورت تھی اور اُس کا شوہر شامو بھی بڑا نکما اور فسادی تھا۔ وہ جُوا کھیلتا تھا، شراب پیتا تھا اور بُرے بُرے کاموں میں حصّہ لیتا تھا، اور اپنے کھیتوں پر بہت کم کام کرتا تھا۔ اسی وجہ سے اُس کے کھیتوں میں فصل ہمیشہ کم ہوتی تھی۔ اور اُس کے کپڑے ہمیشہ پھٹے رہتے تھے، اور وہ گاؤں کے بنئے کا ہمیشہ مقروض رہتا تھا۔ مُنّا کی موسی اور اُس کا شوہر شامو اکثر مُنّا کے باپ سے یا اُس کی ماں سے دن بھر کے کھانے کے لئے چاول مانگ کے لے جاتے۔ اور مُنّا کی ماں ہمیشہ اپنی بہن

کی مدد کرتی تھی۔ مگر اس پر بھی مُنّا کی موسی اپنی بہن کی شُکر گزار نہیں ہوتی تھی۔ اُلٹا اُس سے بات بات پر جھگڑتی تھی۔ شامو کو اس بات کی بھی شکایت تھی، کہ ٹھاکر سنگھ کے کھیتوں میں اُس کے کھیتوں سے زیادہ فصل کیوں ہوتی ہے؟ شامو کا خیال تھا کہ ٹھاکر سنگھ کے کھیتوں کی دھرتی اُس کی اپنی دھرتی سے زیادہ اُپجاؤ ہے۔ اور وُہ ہمیشہ بُری لالچی نگاہوں سے ٹھاکر سنگھ کے کھیتوں کو دیکھا کرتا تھا۔

ایک دِن کا ذکر ہے کہ مُنّا بھیڑ بکریاں چرا کر اپنے گھر لوٹ رہا تھا۔ راستے میں اُس کا باپ ٹھاکر سنگھ اُسے مِل گیا۔ دونوں کو سخت بھُوک لگ رہی تھی۔ اور مُنّا کا تو بھُوک کے مارے بُرا حال تھا، کہ اُس سے چلا بھی نہ جاتا تھا۔ ٹھاکر سنگھ نے اپنے بیٹے کو اپنے کندھے پر بٹھا لیا اور اپنے گھر کی طرف چلا۔ راستے میں وہ اپنے بیٹے کو تسلّی دیتا جاتا تھا۔

ابھی گھر جائیں گے، دال بھات کھائیں گے۔ پھر دُودھ پی کر سو جائیں گے! چلتے چلتے آخر گھر آ گیا، اور باپ بیٹا دونوں گھر کے اندر داخل ہُوئے۔ مُنّا نے چلّا کر کہا۔ ماں! ماں! جلدی سے کھانا دے۔ مجھے سخت بھوک لگی ہے۔ مگر گھر کے اندر ماں

موجود نہ تھی۔ چُولھے میں آگ ہی نہ سُلگی تھی۔ کھانا بھی نہ پکا تھا۔ آنگن میں چارپائی پر ایک میلی چادر پڑی تھی، جو خون میں بھیگی ہوئی تھی۔ اس چادر کو دیکھ کر دونوں باپ اور بیٹا رونے لگے۔ اور اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، اور ہمسایوں سے پُوچھنے لگے۔ مگر کِسی کو معلوم نہ تھا کہ مُنّا کی ماں کہاں ہے؟

ہوتے ہوتے سارا گاؤں اکٹھا ہو گیا، اور گاؤں کے پنچ نے تحقیقات شروع کر دی۔ پُوچھنے پر پتہ چلا کہ دوپہر کو مُنّا کی ماں روٹی لے کر اپنے خاوند کے پاس دھان کے کھیتوں میں گئی تھی، اور پھر واپس نہیں آئی تھی۔ ٹھاکر سنگھ کا کہنا تھا کہ وہ اُسے روٹی کھلا کے واپس گھر کو چل دی تھی۔ مگر مُنّا کی موسی جس کا گھر مُنّا کے گھر کے پاس تھا۔ یہ کہتی تھی کہ دوپہر کے بعد مُنّا کی ماں واپس گھر نہیں آئی۔

مُنّا کی موسی زور زور سے چلّانے لگی، رونے لگی، سر پیٹنے لگی اور کہنے لگی۔ ہائے! ہائے! اس ظالم ٹھاکر سنگھ نے میری بہن کو قتل کر دیا ہے۔ ارے لوگو، مَیں مر گئی۔ میری پیاری بہن کو اس ظالم نے مار ڈالا ہے۔ اِسے پکڑ لو، پولیس میں دے دو۔ یہی میری بہن کا قاتل ہے!

ٹھاکر سنگھ نے بہت دُہائی دی۔ اپنے بے گناہ ہونے کا سب کو یقین دِلایا، مگر کسی کو یقین نہ آیا۔ کیونکہ دوپہر کے بعد کسی نے بھی منّا کی ماں کو نہیں دیکھا تھا۔ اور دوپہر کو وہ ٹھاکر سنگھ کا کھانا لے کر گئی تھی۔ اس لئے گاؤں کے پنچ نے کہا۔ کہ ٹھاکر سنگھ کو گرفتار کر لیا جائے۔ اور اُسے دُوسرے دِن پولیس کے حوالے کر دیا جائے۔

پولیس کا تھانہ مادھو پور میں نہیں تھا۔ کیونکہ مادھو پور ایک چھوٹا سا پہاڑی گاؤں تھا۔ پولیس کا تھانہ وہاں سے بیس میل دُور آدم پور میں تھا۔ چنانچہ اُس وقت ایک کِسان کو گنگا پور دوڑایا گیا۔ تاکہ وہ دُوسرے دِن پولیس کو لے آئے۔ اور رات کے لئے یہ طے کیا گیا، کہ ٹھاکر سنگھ کو گاؤں کے پُرانے شوالے میں بند کر دیا جائے!

یہ شوالا بہت پُرانا تھا، اور پتھروں کے ایک بہت بڑے اور اُونچے چبُوترے پر بنا ہُوا تھا۔ کہتے ہیں پُرانے زمانے میں اسے راجہ بھوج نے بنایا تھا۔ اس شوالے کا دروازہ بھی بہت مضبوط تھا۔ اور جب کبھی گاؤں میں کسی کو پکڑا جاتا۔ اُسے رات کی رات اِسی شوالے میں بند کیا جاتا تھا۔

اِس شِوالے کے دُو پُجاری تھے، گنگا رام اور جمنا رام۔ دونوں سگے بھائی تھے۔ ایک بھائی دِن کو پُوجا کرتا تھا، دوسرا رات کو شِوالے پر پہرہ دیتا تھا۔

جب ٹھاکر سنگھ کو شِوالے میں بند کیا جانے لگا۔ تو مُنّا اپنے باپ کی ٹانگوں سے لپٹ گیا اور رو رو کر دُہائی دینے لگا۔ باپُو، مَیں بھی تمہارے ساتھ رہوں گا۔ باپُو مَیں اکیلا اس دُنیا میں کہاں رہوں گا۔ تم مجھے چھوڑ کر کہاں جا رہے ہو؟

مُنّے کا رونا دیکھ کر بہت سے لوگوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ٹھاکر سنگھ بھی رونے لگا۔ اُس نے مُنّے کو گود میں اُٹھا کر اُس سے پیار کیا۔ اُس کے آنسو پُونچھے، اور اُس سے کہا۔

"بیٹے مَیں بے گُناہ ہوں۔ بھگوان جانتا ہے، مَیں نے کوئی پاپ نہیں کیا ہے۔ مَیں بہت جلد آ کر تجھے مِلوں گا!

مگر مُنّا پھر بھی اپنے باپ کو چھوڑتا نہیں تھا۔ اُس کے گلے سے چمٹ کر روئے جاتا تھا۔ بڑی مشکل سے گاؤں والوں نے باپ بیٹے کو ایک دُوسرے سے الگ کیا۔ اور مُنّا کو اُس کی موسی کے حوالے کیا۔

رات کو مُنّا نے کھانا نہیں کھایا۔ روتے روتے وہیں زمین

جھونپڑی میں سو گیا۔ موسی اور اُس کا شوہر چارپائیوں پر سو گئے۔ مگر مُنّا کو اُنہوں نے زمین ہی پر سُلایا، اور خود آرام سے چارپائیوں پر سو گئے۔

رات کو مُنّا نے ایک سپنا دیکھا۔ اُس نے دیکھا کہ اُس کی ماں رسیوں سے بندھی ہوئی ایک بہت بڑے کمرے میں پڑی بَین کر رہی ہے۔ اور رو رو کر مُنّے سے کہہ رہی ہے :-

ننھے مُنّے، ننھے مُنّے
میرے بیٹے پیارے پیارے
آؤ آؤ آؤ
میری جان بچاؤ
سات کھمبوں کا کمرہ ہے
کالا کالا بھونرا ہے
لال تاج کا راجہ ہے
اُلٹے ہاتھ پر باجہ ہے
آؤ آؤ آؤ
میری جان بچاؤ

مُنّا زور سے چلّا پڑا "ماں! ماں! میں آتا ہوں" یکایک

اُس کی آنکھ کھُل گئی - اور وہ اپنی جھونپڑی میں اپنی ماں کو نہ پاکر زور زور سے رونے لگا - موسی کی آنکھ کھُل گئی - اُس نے زور سے مُنّے کے گال پر ایک چانٹا مارا - اور اس سے کہا:-

"کیا ماں ماں لگا رکھی ہے - سو جا، تیری ماں مر چکی ہے"۔

"نہیں وہ زندہ ہے"۔ مُنّا نے کہا - "مَیں نے ابھی اُسے سُپنے میں دیکھا ہے"۔

شامو نے اُٹھ کر مُنّا کے دوسرے گال پر ایک تھپڑ لگایا - اور چلّا کر بولا "سُپنے کبھی سچّے نہیں ہوتے - بے وقوف بالک، سو جا - تیری ماں اب اس دُنیا میں نہیں ہے"۔

مُنّا دیر تک اپنے ہاتھوں میں اپنے سر کو چھپائے روتا رہا - آخر بچّہ تھا، بِلک بِلک کر سو گیا -

جب صبح ہُوئی، اور پولیس والے مُنّا کے باپ کو پکڑنے کے لئے آئے، تو اُنہیں معلوم ہُوا - کہ رات ہی کو ٹھاکر سنگھ شوالے کا دروازہ کھول کر کہیں بھاگ گیا ہے - سارے گاؤں میں کھلبلی مچ گئی - یہ کیسے ہُوا؟ یہ کیسے ہُوا؟ سب لوگ اور پولیس والے بھی دونوں پجاریوں سے پُوچھنے لگے :-

گنگا رام: رات کو ٹھاکر سنگھ کہاں تھا؟

"جی شوالے میں بند تھا"۔

"تم کہاں تھے؟"

"میں بھی اُس کے ساتھ بند تھا"۔

"تمہارا بھائی جمنا رام کہاں تھا؟"

"باہر پہرہ دے رہا تھا"۔

"پھر ٹھاکر سنگھ بند شوالے کے اندر سے کیسے بھاگ گیا؟"

"مجھے کیا معلوم؟ حضور۔ دَروازہ بند تھا۔ اندر دیواریں پتھر کی ہیں، کوئی دَروازہ بھی نہیں ہے!"

"جمنا رام تم نے رات کو پہرہ دیتے وقت کسی آدمی کو شوالے سے باہر نکلتے دیکھا تھا"۔

"نہیں سرکار!"

"پھر ٹھاکر سنگھ کیسے بھاگا؟"

کسی کو کچھ معلوم نہ تھا، مگر ٹھاکر سنگھ کے بھاگنے سے ایک بات صاف ہو گئی۔ ٹھاکر سنگھ ہی نے مُمتا کی ماں کا قتل کیا تھا، ورنہ وہ کیوں بھاگتا؟ اب تو سارے گاؤں والوں کو مُمتا کی موسی کی بات پر یقین آ گیا، مگر مُمتا کو کسی طرح یقین نہ

آیا - اور اب بھی رو رو کر کہتا تھا :-

"میرا باپ بے گناہ ہے ، اُس نے میری ماں کو نہیں مارا"۔

مگر ایک بچّے کی بات کا کون یقین کرتا ہے ؟

پولیس والوں نے سو روپیہ اِنعام رکھا۔ جو کوئی ٹھاکر سنگھ کو گرفتار کرائے گا ، اُسے سو روپیہ انعام دِیا جائے گا۔ انہوں نے اِدھر اُدھر دُوسرے گاؤں میں بھی آدمی دوڑا دیئے۔ تاکہ جہاں کہیں ٹھاکر سنگھ مِلے ، اُسے وہیں گرفتار کر لیا جائے۔ مُنّا کو موسی اور اُس کے شوہر کے حوالے کر دِیا گیا۔

رات کو پھر موسی اور اُس کا شوہر چارپائیوں پر سو گئے۔ اور مُنّا زمین پر سو گیا۔ مگر آج اُسے نیند نہیں آئی تھی۔ کیونکہ اُس کی موسی نے اُسے آج کھانا بھی نہیں دِیا تھا۔ وہ بھوکا تھا۔ مگر موسی اور اُس کے شوہر کے ڈر سے چُپ چاپ آنکھیں بند کئے زمین پہ پڑا تھا۔

جب آدھی رات اِدھر ہوئی ، آدھی اُدھر ہوئی۔ تو شامو نے کروٹ لے کر مُنّا کی موسی سے پُوچھا "جاگتی ہے"؟

"ہاں جاگتی ہوں"۔ موسی نے دھیرے سے کہا۔

"مُنّا سو گیا کیا ؟"

موسی نے گردن بڑھا کر نیچے زمین کی طرف دیکھا۔ مُنّا نے جلدی سے آنکھیں بند کر لیں۔

موسی بولی۔ "ہاں سو گیا ہے"!

شامو بولا "میں کل مُنّا کو کسی بہانے ندی کنارے لے جاؤں گا، اور اُسے ندی میں ڈوبا دوں گا۔ کیا خیال ہے"؟

"خیال تو اچھا ہے"۔

"پھر ٹھاکر سنگھ کی ساری زمین ہماری ہو جائے گی"!

"ہوں"! موسی خوش ہو کر بولی۔

شامو بولا۔ "وہ زمین بہت اچھی ہے۔ جب وہ زمین ہمارے قبضے میں آجائے گی، تو ہم دونوں وقت پیٹ بھر کر بھات کھائیں گے"!

موسی نے کہا "اور میں چاندی کے کڑے تم سے لوں گی"۔

"لے لینا"۔

"تو صبح اُٹھتے ہی تم مُنّا کو ندی پہ لے جاؤ، مگر دیکھو کسی کو پتہ نہ لگے"!

"تم فکر مت کرو، شامو بولا۔ "ایسی ہوشیاری سے کام لوں گا، کہ کسی کو پتہ تک نہ چلے گا"۔

"مُنّا کہاں گیا؟"

تھوڑی دیر کے بعد وہ دونوں سو گئے اور خرّاٹے لینے لگے۔ مگر مُنّا کو نیند کہاں آتی تھی۔ ڈر کے مارے وہ سر سے پاؤں تک کانپ رہا تھا۔ اُسے معلوم تھا کہ صبح اُس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔

آخر وہ ہمّت کر کے دِھیرے دِھیرے زمین سے اُٹھا۔ دبے پاؤں چل کر جھونپڑے سے باہر آگیا۔ باہر آنگن میں دو بیل بندھے تھے۔ آنگن کے چاروں طرف اُونچی دیوار تھی۔ دیوار میں صرف ایک دَروازہ تھا، وہ اَندر سے بند تھا۔ اور اُس پر ایک تالا پڑا ہُوا تھا۔ اب مُنّا باہر جائے تو کیسے جائے؟

سوچ سوچ کر ایک ترکیب اُس کے ذہن میں آئی۔ وہ دِھیرے دِھیرے قدم اُٹھاتا ہُوا بیلوں کے پاس گیا۔ اور اُنہیں پیار کرنے لگا۔

بیل اُسے جانتے تھے۔ اس لئے بیل بھی زبان نِکال کر اُسے چاٹنے لگے۔ تھوڑی دَیر کے بعد مُنّا اُچک کر ایک بیل کی پیٹھ پر سوار ہوگیا۔ وہاں سے اُچھل کر اُس نے دیوار

کی مُنڈیر کو جا پکڑا۔ کہیں پر ایک کُتا زور زور سے بھونکنے لگا۔ مُنّا ڈر کر دیوار کی دُوسری طرف چھلانگ لگا گیا۔ دیوار اُونچی تھی۔ گرتے وقت اُس کے ٹخنے میں چوٹ تو آئی۔ مگر یہاں تو جان بچانے کا سوال تھا۔ اِس لئے مُنّے نے سی تک نہیں کی۔ لنگڑاتا ہوا سیدھا اپنے گھر کو چلا گیا۔ کُتا ابھی تک زور زور سے بھونک رہا تھا۔

یہ اُس کا اپنا کتا ڈبو تھا۔

"چُپ ڈبو! مُنّا نے کہا

ڈبو مُنّا کو پہچان کر چُپ ہو گیا، اور دُم ہلانے لگا۔ ڈبو بہت بہادر کُتا تھا۔ اُس کا قد بھی دُوسرے کُتّوں سے اُونچا تھا۔ وہ بڑا وفادار پہاڑی کُتا تھا۔ لمبے لمبے اُس کے کان تھے۔ اور کالے کالے اُس کے بال تھے! اور اُس کی آنکھیں بڑی چمکیلی تھیں۔ اُور اُس کی آواز میں شیر کی سی گرج تھی!

اُدھر کُتے کے بھونکنے کی آواز پر شامو اور اُس کی بیوی جاگ چکے تھے۔ جب شامو نے دیکھا کہ مُنّا جھونپڑی کے اندر نہیں ہے، تو وہ سب سمجھ گیا۔ اُسی وقت ایک چھُری لے کر مُنّا کو مارنے کے لئے نکلا۔

مُنّا کُتّے کے پاس کھڑا تھا، اُس نے دُور ہی سے شامو کو آتے دیکھ لیا تھا، شامو کے ہات میں چُھرا دیکھ کر ایک لمحے کے لئے منّا گھبرایا، پھر وُہ اُچک کر ڈبّو کی پیٹھ پر سوار ہو گیا۔ اور اُس سے بولا۔

ڈبو، تیرے مُنّا کی جان خطرے میں ہے، زمین کے لالچ میں میرا موسا مجھے مار ڈالنا چاہتا ہے، چل جلدی سے بھاگ چلیں یہاں سے۔

جیسے کتّے نے منّا کی بات سمجھ لی۔ کُتا تیزی سے بھاگنے لگا۔ شامو بھی تیزی سے پیچھا کرنے لگا۔ بھاگتے بھاگتے کُتا ندی کے کنارے پہنچ گیا۔ سامنے ندی تھی۔ پیچھے سے شامو آرہا تھا۔ اَب منّا جائے تو کہاں جائے۔ سامنے ندی تھی۔ ندی کے پار اُونچا کالا پہاڑ تھا، جہاں کا جنگل بڑا خوفناک اور گھنّا تھا۔ اور جہاں شیر اور چیتے رہتے تھے، اور جس کی چوٹی پر ہمیشہ برف رہتی تھی۔ اَب مُنّا جائے تو کہاں جائے؟ اُدھر پیچھے سے شامو ہات میں چُھرا لئے بھاگتا چلا آرہا تھا۔

یکایک منّا نے ڈبّو سے کہا:۔

ادھر موسا کی مار، اُدھر پولیس کی دہاڑ؟ چل میرے ڈبّو کالا پہاڑ!!

ڈبو یہ سنتے ہی ندی میں کود گیا۔ منّا ڈبو کی پیٹھ پر تھا، اور ڈبو تیزی سے ندی میں تیرتے ہوئے دوسرے کنارے جا رہا تھا، جدھر کالا پہاڑ تھا۔ شامو ہات میں چھرا لئے بے بسی سے ندی کے کنارے کھڑا تھا۔ کیونکہ اُسے معلوم تھا، کہ تیرنے میں وہ ڈبو کتے کا مقابلہ نہیں کر سکتا ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد ڈبو منّا کو لے کر دوسرے کنارے پہنچ گیا۔ یہاں پہنچ کر منّا ڈبو کی پیٹھ پر اُترا، اور دونوں بھاگتے ہوئے ایک جنگل میں گھس گئے۔

---

(۷)

وہ رات منّا اور ڈبو نے گیدڑ کے ایک بھٹ میں چھپ کر گذاری۔ رات میں جنگل سے طرح طرح کی خوفناک آوازیں آتی شیر کی گرج، ریچھ کی غراہٹ، سانپ کی پھنکار۔ کبھی کبھی کوئی اُلّو زور سے چیخ اُٹھتا۔ کبھی کبھی منّا کو اپنے بھٹ کے سامنے لال بتیوں کی طرح جلتی ہوئی آنکھیں نظر آتیں، ڈبو اُس وقت

زور سے غرّا اُٹھتا، اور اُس کے جسم کے سارے بال کھڑے ہو جاتے۔ پھر ڈبّو کی غرّاہٹ سُن کر وہ لال لال آنکھیں خود بخود غائب ہو جاتیں۔

جُوں تُوں کر کے منّا اور ڈبّو نے وہ رات اُس بھٹ میں بسر کی۔ پو پھٹتے ہی وہ دونوں وہاں سے نکل کھڑے ہوئے۔ اب جائیں تو کہاں جائیں؛ پیچھے گھر کو جا نہیں سکتے تھے۔ آگے گھنا جنگل تھا۔ پھر یہ بھی ڈر تھا، کہ شامو کہیں اُن کی تلاش میں نہ آ رہا ہو۔ اِس لئے منّا نے جنگل ہی میں پناہ لینے کو بہتر سمجھا۔

رات کو جنگل بڑا بھیانک معلوم ہوتا تھا۔ مگر صبح کے وقت منّا کو جنگل بڑا سُہانا معلوم ہُوا۔ ہرے ہرے پتّوں پر اوس کے موتی بکھرے پڑے تھے۔ درختوں کی چھال تک اوس سے بھیگی ہوئی تھی، جیسے اِن درختوں نے ابھی ابھی غسل کیا ہو۔ لچکیلی شاخوں پر رنگ برنگے طوطے، تُرت گلے اور بُلبُل چہک رہے تھے۔ جنگل کے بانسوں کے ایک جُھنڈ کے قریب ہاتھیوں کا ایک گروہ سُونڈ اُٹھا اُٹھا کر گھاس چر رہا تھا۔ دُوسری طرف خُوب صُورت آنکھوں والے پیارے پیارے

ہرن چوکڑیاں بھرتے ہوئے بھاگ رہے تھے۔

صبح کے وقت منا کو جنگل کا نظارہ بہت بھلا معلوم ہوا۔ اب تک وہ یونہی جنگل سے ڈرتا رہا۔ ڈرنا تو اُسے شامو جیسے بدمعاش اِنسانوں سے چاہیئے۔

جنگل کے بیچ میں ایک ندی بہتی تھی۔ یہ وہی دورج ندی تھی، جو اُس کے گاؤں کو جاتی تھی، مگر یہاں پر اس ندی کا پانی کس قدر صاف اُجلا اور نیلا تھا۔ پانی کی تہہ میں چھوٹے چھوٹے نیلے پیلے ہرے لال کنکر موتیوں کی طرح چمکتے نظر آتے تھے۔

منا دیر تک اس ندی میں نہاتا رہا، اور خوبصورت کنکر اکٹھے کرتا رہا۔ پھر جب اس کھیل سے اُس کا جی بھر گیا، تو وہ ندی سے باہر نکلا۔ ڈبو اُسے دیکھ کر آہستہ آہستہ بھونکنے لگا۔ اور پنجوں سے گھاس نوچنے لگا۔

منا نے اُس کی طرف دیکھ کر کہا۔ معلوم ہوتا ہے ڈبو! تمہیں بھی میری طرح بھوک لگی ہے، مگر اب کھانے کو ملے گا کہاں سے؟

بھَف! بھَف! ڈبو زور سے چلایا۔ یعنی میں کیا جانوں۔

کہاں سے کھانا ملے گا ۔

مگر مجھے کھانا چاہیئے ۔

اچھا ، دیکھتے جاؤ ۔ منّا نے ڈبّو سے کہا ۔ کہیں سے کچھ بندوبست کریں گے ۔ آؤ اس ندی کے پار چلیں ۔

ندی کے پار کے جنگل میں کچھ کھانے کو نہ ملا ۔ بہت دیر کے بعد منّا کو انار کا ایک درخت نظر آیا ۔ ہرے ہرے پتّوں میں لال لال انار لٹک رہے تھے ۔ ان اناروں کو دیکھ کر منّا کے مُنہ میں پانی بھر آیا ۔ اُس نے چلّا کر ڈبّو سے کہا ۔ ڈبّو کھانا مل گیا ، اور لپک کر اناروں کی طرف بڑھا ۔

یکایک ایک زور کی پھنکار سُنائی دی ، اور منّا ڈر کر پیچھے ہٹ گیا ۔ اب جو اُس نے غور سے دیکھا ، تو اُسے معلوم ہوا کہ انار کے پیڑ کی ایک ڈال پر ایک سانپ لٹک رہا ہے ، اور اُس نے ایک بندر کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا ہے ۔ اور اپنے آپ کو بل دے دے کر اُس غریب بندر کی جان نکالے جا رہا ہے ۔

منّا کو بندر پر بہت ترس آیا ۔ اُس نے سانپ کی لٹکی ہوئی دُم کو ، جو زمین تک لٹک رہی تھی ۔ بہت سے پتھر

اُٹھا اُٹھا کر مارے، مگر سانپ ٹس سے مس نہیں ہوا۔ ڈبو
زور زور سے بھونک رہا تھا۔ وہ بھونکتا تھا، اور پھر ڈر کر
پیچھے ہٹ جاتا تھا۔ آخر منا نے اُس سے کہا۔

ڈبو، ڈرنے سے کام نہیں چلے گا۔ غریب بندر کی
جان جائے گی!

جیسے ڈبو نے اپنے مالک کی بات سمجھ لی ہو۔ ڈبو ہمت
کرکے آگے بڑھا، اور اچھل کر اُس نے سانپ کو زور سے
کاٹ لیا۔ اور پھر اُچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ اُس نے پھر
کاٹا۔ اور پھر تیزی سے پیچھے ہٹ گیا۔ آخر سانپ کی گرفت
ڈھیلی پڑ گئی۔ اور اُس نے بندر کو چھوڑ دیا۔

بندر زمین پر آگرا، اور سانپ درخت کے تنے
سے رینگتا ہوا لمبی لمبی گھاس میں چھپ گیا، مگر ڈبو دیر
تک بھونکتا رہا۔

جانے دے۔ ڈبو، آ۔ اب اس بندر کو دیکھیں۔

بندر زمین پر اَدھ مُوا سا پڑا تھا۔ منا اور ڈبو
اگر دیر میں آتے، تو بندر ختم تھا۔ یہ ایک بڑا بندر تھا۔
بھورے بھورے اس کے بال تھے۔ اور پیٹھ اس کی ٹماٹر

کی طرح لال تھی۔ منّا نے بندر کو اپنے گلے سے لگا لیا۔ اُس کے جسم پر ہات پھیرا۔ اُسے ندی کنارے لے گیا، اور اُس کے مُنہ میں پانی ڈالا۔ بہت دیر کے بعد جب بندر کو ہوش آیا، تو اُس نے اپنی آنکھیں کھولیں، اور منّا کو اپنے سر پر ہات پھیرتے دیکھ کر بہت خوش ہُوا۔ کیوں نہ ہوتا۔ اُس کی جان منّا نے بچائی تھی۔ بندر اپنے دانت نکال کر خوشی سے چیخا۔

چَخ چَخ! بندر چلایا۔

ھف! ھف!! ڈبو بھی خوشی سے چلّایا۔

منّا نے بندر کا نام چَخ چَخ رکھ دیا۔

بھائی چَخ چَخ مجھے بھُوک لگی ہے، اور میرا ڈبّو بھی بھُوکا ہے۔ اب تم کچھ بندوبست کرو۔ منّا نے بندر سے کہا۔

بندر نے غور سے منّا کی طرف دیکھا۔ پھر وہ زمین پر ایک ہات اُٹھا کر ناچتا بھلا لگتا ہُوا چلا، اور بار بار منّا کی طرف دیکھتا جا رہا تھا۔

منّا اور ڈبّو بھی اُس کے پیچھے بھاگنے لگے۔ تھوڑی

دیر کے بعد چج چج انہیں ایک ایسی جگہ لے گیا، جہاں اخروٹوں کے بہت سے درخت کھڑے تھے۔ چج چج درخت پر چڑھ گیا اور ڈالیوں سے اخروٹ توڑ توڑ کر نیچے پھینکنے لگا۔ سبز رنگ کے ہرے ہرے گیندوں کی طرح سخت اخروٹ منا نے اپنے دونوں ہاتوں میں اٹھا کر سوچا، یہ کونسا پھل ہے، کیونکہ اس نے اپنے گاؤں میں سوکھے اخروٹ تو کھائے تھے۔ اس کا سبز پھل نہ دیکھا تھا۔ منا نے جب دیکھا، ہرے اخروٹ پر اپنے دانت گڑ دیئے، تو اسے اخروٹ کا چھلکا بڑا کڑوا معلوم ہوا۔ منا نے غصّے میں آکر پھل کو زمین پر پھینک دیا۔

چج چج!! بندر زور سے ہنسا۔ گویا کہہ رہا ہے۔ دیکھو منا۔ تم کتنے بے وقوف ہو۔ اخروٹ کھانا بھی نہیں جانتے۔

ہوں، ہوں!! بندر نے اب کے ذرا نرمی سے کہا، اور پھر چج چج میاں نے منا کے سامنے ایک ہرے اخروٹ کو پتھر سے توڑا۔ اندر سے سفید سفید بالائی کی طرح نرم گری نکلی۔ بندر اسے ہنس ہنس کر کھانے لگا۔ یکایک منا کی سمجھ میں آگیا۔ اس نے اسی طرح کیا جس طرح بندر نے کیا تھا۔

ارے! یہ تو سبز اخروٹ ہے؟

منّا تے اخروٹ کھاتے کھاتے ڈبّو کی طرف بھی گری پھینکی، اور اُس سے کہا۔ کھاؤ، یہاں روٹی تو نہیں ہے۔ مگر اخروٹ کی گری ہے — یہ کتنی میٹھی اور عمدہ ہے! تم بھی کھاؤ ڈبّو!

جب تینوں دوست اخروٹ کی گریوں سے اچھی طرح پیٹ بھر چکے، تو مُنّا نے ندی کی طرف جاتے ہُوئے کہا۔ اَب تو مجھے سخت پیاس لگی ہے۔ مگر یہاں جھَٹ جھَٹ نے مُنّا کو ندی کی طرف جانے سے روک دِیا۔

ناں! ناں!! بندر زور سے چلّایا۔

کیا بات ہے؟ مُنّا نے پُوچھا۔ پانی نہ پیوں!

ناں! ناں!! بندر زور سے سر ہلا کے بولا۔ اور پھر ایک طرف کو بھاگ گیا۔

منّا حیرت سے بندر کو دیکھتا رہا۔ بندر جنگل میں غائب ہوگیا۔ منّا نے سوچا۔ بندر ہمیشہ کے لئے چلا گیا۔ وہ آہستہ سے اپنے ڈبّو کی طرف مُڑا۔ اور اُس سے بولا۔ چلو ڈبّو، آگے چلیں۔ یہ بندر جنگل کا جانور تھا۔ اس لئے چھوڑ کر چلا گیا۔ مگر تم تو میرے دوست ہو۔ تُم تو مجھے چھوڑ کر کہیں نہ جاؤگے!

ڈبّو خوشی سے دُم ہلانے لگا، اور منّا کے ہات چاٹنے لگا۔

اِتنے میں مُنّا نے کیا دیکھا کہ تین بندر ہیں، اور وہ تین جنگلی بکریوں پر چڑھے بکریوں کو سرپٹ دوڑاتے چلے آرہے ہیں۔ ان بندروں میں چج بچج بھی تھا۔ بکریاں بندروں کے قابُو میں تھیں، مگر بہت گھبرائی ہوئی تھیں۔ یہ تینوں بکریاں دُودھ والی تھیں، اور اِن کے تھن دُودھ سے بھرے ہُوئے تھے۔

منّا گاؤں کا لڑکا تھا۔ دِن بھر بکریاں چراتا تھا۔ وہ بکریوں کا دُودھ بھی دوہ لیتا تھا۔ اور تھن کی دھاریں اپنے مُنہ میں ڈال کر ندی کنارے بغیر کسی برتن کے دُودھ پی لیا کرتا تھا۔ اُس وقت بھی منّا نے یہی کیا۔ اُس نے پیٹ بھر کے بکری کا دُودھ پیا۔

واہ! واہ! میاں چج بچج۔ منّا نے بندر کا شکریہ ادا کرتے ہُوئے کہا۔ اس وقت تو مزا آگیا۔

ریاؤں! ریاؤں؟ ڈبّو غُصّے سے بولا۔ بھئی، کیا ہمیں دُودھ نہیں ملے گا؟

ارے ڈبّو، تُو تو دُودھ کے بغیر ہی رہ گیا؟ اُف! اُف

کیسی بھُول ہوگئی ۔ منّا نے کہا ، مگر اَب کیا کریں ؟ ڈبّو کے لئے برتن کہاں سے لائیں ۔

پھر منّا نے بندر سے کہا ۔ میاں چیں چیں ! تم جب تک بکریوں کو سنبھالے رکھو ۔ مَیں جنگل میں سے کہیں سے مٹّی کا ٹھیکرا ڈھونڈ کے لاتا ہُوں ۔

منّا جانے کے لئے مُڑا ، تو یکایک ڈبّو نے کان کھڑے کر لئے ، اُور دِھیرے دِھیرے غرّانے لگا ۔ بکریوں نے بھی سر اُونچا کر کے ہَوا میں کچھ سُونگھا اُور گھبرا کر ایک طرف کو بھاگ گئیں ۔ بندر زور زور سے چیخنے لگے ، اُور اخروٹ کے درختوں پر چڑھ گئے ۔ منّا نے بھی سمجھا ۔ جنگل میں کہیں پر کوئی خطرہ نظر آ رہا ہے ۔ اِس لئے وہ بھی بندروں کے ساتھ اخروٹ کے ایک گھنے درخت کے پتّوں میں چھپ گیا ۔

تھوڑی دیر تک جنگل میں خاموشی رہی ۔ پھر منّا کیا دیکھتا ہے ، کہ سات آٹھ ڈاکوؤں کا ایک گروہ ہے ، وہ سب لوگ اُپنا آدھا مُنہ کپڑوں سے چھپائے ، پیٹھ پر بھاری پوٹلیاں اُٹھائے ، ہات میں بندوقیں لئے آ رہے ہیں اور اُن کے بیچ میں ایک چھوٹی سی لڑکی روتے ہُوئے

چل رہی ہے، اور رو رو کر کہہ رہی ہے۔ میں اپنی بی بی کے پاس جاؤں گی۔ میری ماں کدھر ہے؟ او ماں۔ میری ماں!!

مگر ڈاکو اس کے رونے چیخنے چلانے کی کوئی پروا نہ کرتے ہوئے جنگل کے اندر بڑھتے گئے۔ اور لڑکی کو لے کر تھوڑی دیر میں ایک ٹیلے کے پیچھے غائب ہو گئے۔

---

(۲۲)

جب ڈاکو جنگل میں غائب ہو گئے، تو منا دھیرے سے درخت کے نیچے اترا۔ اور درخت کے تنے سے لگ کر سوچنے لگا۔

یہ لوگ کون تھے! کہاں سے آئے تھے؟ وہ لڑکی کیوں رو رہی تھی!

بہت سوچنے پر بھی جب اسے اپنے سوالوں کا جواب نہ ملا، تو اس نے ادھر ادھر دیکھا۔ میاں چخ چخ اس کا ہات پکڑے جھول رہے تھے، دوسرے ہات کو ڈبو چاٹ رہا

تھا۔ متا نے اپنے دونوں دوستوں کو دیکھا، اور اُن سے کہا۔

کچھ بھی ہو، اُس چھوٹی لڑکی کو اُن ظالم ڈاکوؤں سے بچانا چاہیئے۔

بندر جیسے متا کا ارادہ سمجھ گیا ہو، وہ آہستہ سے بولا۔ ناں! ناں! اور ڈر کر درخت کے تنے پر چڑھ گیا۔ ڈبو بھی کچھ زیادہ خوش نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس لئے متا نے اُن سے کہا۔

معلوم ہوتا ہے، تم لوگ ڈاکوؤں سے ڈر گئے۔ اس لئے میرا ساتھ نہیں دینا چاہتے ہو۔ اچھا! اگر یہ بات ہے، تو تم دونوں یہیں رہو، مَیں اکیلا ڈاکوؤں کے پیچھے جاتا ہوں۔

متا دو قدم اکیلا چلا تھا کہ ڈبو لپک کر اُس کے پیچھے آگیا۔ متا اور ڈبو دونوں ابھی ٹیلے تک گئے ہوں گے۔ کہ بھائی چیں چیں بھی اُن سے آ ملے۔ بلکہ ٹیلے سے آگے تو چیں چیں نے خود راستہ بنانا شروع کیا۔ وہ گھاس سونگھتا جاتا، اور سونگھنے سے اُسے پتہ چل جاتا، کہ ڈاکو کدھر گئے ہوں گے۔ چنانچہ وہ گھاس سونگھ کر اپنا راستہ بدل لیتا۔ اور متا اور ڈبو اُس کے پیچھے ہو لیتے۔

بہت دیر تک تینوں دوست اِسی طرح جنگل میں چلتے رہے ، اور جنگل گھنے سے گھنا ہوتا گیا ۔ آخر ایک جگہ جاکر جنگل ایکدم پھٹ جاتا تھا ۔ اور ایک کھلی جگہ آجاتی ۔ یہ ایک ڈھلوان جگہ تھی ۔ کوئی تین سو گز لمبی اور اِتنی ہی چوڑی ۔ یہ ایک کھلی جگہ تھی ، یہاں پر کوئی درخت نہ تھا ۔ چاروں طرف لانبی لانبی گھاس اُگی ہوئی تھی ۔ اور بیچ میں ایک پرانی دو منزلہ عمارت کھڑی تھی ۔

جنگل میں یہ عمارت کہاں سے آئی ۔ منّا حیرت سے اُسے دیکھتا رہ گیا ۔ عمارت بہت پُرانی معلوم ہوتی تھی ۔ چھت ٹوٹی ہوئی تھی ، اور بہت سی دیواریں ڈھے چکی تھیں ، اور جو باقی تھیں ، اُن پر بھی بیلیں چڑھ آئی تھیں ۔ ٹوٹے ہوئے دروازوں میں بیر اُگ آئے تھے ، اور کھڑکیوں میں گھونسلے بنے ہوئے تھے ۔ صرف دو ایک کمرے ایسے تھے جو صحیح وسلامت معلوم ہوتے تھے ۔

اونہہ ہوں ! اونہہ ہوں !! بندر نے دھیرے سے اُس بلڈنگ کی طرف دیکھ کر کہا ، اور ڈر کر ایک درخت کی اوٹ میں ہو گیا ۔ اُسی وقت منّا کا اِشارہ پاکر ڈبو بھی ایک

درخت کے پیچھے منّا کے ساتھ چھپ گیا۔

منّا نے بندر سے کہا۔ پُرانے زمانے کے کسی راجہ کا محل معلوم ہوتا ہے!

اُوں ہوں؟ بندر نے ڈر کے مارے اپنے دونوں ہاتھوں سے مُنہ چھپا لیا۔

تو کیا بھُوتیا محل ہے؟ مُنّا نے پھر پُوچھا۔

اِس بار بندر نے اور بھی ڈر کر سر ہلایا۔ اور سُکڑ کر مُنّا کے پاس بیٹھ گیا۔

آگے بڑھو! منّا نے بندر سے کہا۔ دیکھیں اُس ٹُوٹے ہُوئے محل میں کون رہتا ہے۔

بندر نے سر ہلا کے کہا۔ ناں! ناں!!

منّا نے بندر سے کہا۔ بہت اچھا تم یہیں ٹھہرو۔ مَیں خود دیکھ کے آتا ہُوں۔

منّا گھاس میں گھٹنوں کے بل چلتا ہُوا ٹوٹے پھُوٹے محل کی جانب بڑھتا گیا۔ آہستہ آہستہ، تاکہ کہیں کھڑکا نہ ہو۔ بندر کی حرکت سے وہ سمجھ چُکا تھا، کہ ڈاکو اِسی کھنڈر میں چھپے بیٹھے ہیں۔ اور اُن کے پاس بندوقیں بھی ہیں۔

اور منّا تو ایک چھوٹا سا سات سال کا بچّہ ہے۔ جس کے
پاس ایک چاقو تک نہیں ہے!

• کوئی بات نہیں ہے۔ منّا نے اپنے دِل کو سمجھایا۔
ہمّت بڑی ہونی چاہیئے۔ عُمر چاہے چھوٹی ہو۔ آگے
بڑھ جاؤ منّا!

دِھیرے دِھیرے منّا محل کے قریب پہنچ گیا۔ اور
چوڑے چوڑے پتّوں والی موتی ہار بیلوں کے نیچے چُھپ
گیا۔ بیل کے ایک بڑے سے پتّے کو سرکا کے اُس نے
دیکھا، کہ ٹوٹے پھوٹے کھنڈر کے سارے دروازے کُھلے
ہیں۔ اور دیواریں ڈھے چکی ہیں، اور اُن میں کوئی ڈاکو
نہیں ہے۔ صرف دُو کمروں کی دیواریں سلامت تھیں۔ لیکن
اُن کا دَروازہ محل کے دوسری طرف تھا۔

منّا نے سوچا۔ اَب مجھے محل کے دُوسری طرف جا
کے دیکھنا پڑے گا۔ وہاں کیا ہے۔ پھر منّا نے اُسی طرح
گھاس میں سرکتا چھپتا آہستہ آہستہ محل کے دوسری طرف
گیا۔ اُدھر محل کے باہر دُو بڑے بڑے پتّھر کے ستُون
کھڑے تھے۔ اور اُن کے پیچھے لوہے کا ایک بہت بڑا

دروازہ تھا۔ دروازہ اس وقت کھلا تھا۔ اور دروازے
کے اندر ایک بہت بڑا کھلا ہال نظر آ رہا تھا۔ اس ہال
کے فرش پر ڈاکو بڑے آرام سے اپنی اپنی پوٹلیوں کا تکیہ
بنائے ہوئے لیٹے ہوئے تھے، یا باتیں کر رہے تھے۔ منا
ایک پتھر کے ستون کے پیچھے چھپ کر اُن کی باتیں سُننے
لگا۔

ایک ڈاکو بولا۔ "اب کیا کرنا ہوگا؟"
دُوسرا ڈاکو بولا۔ "اب ہمیں رام شاہ ساہوکار کے
پاس ایک پیغام بھیجنا چاہیئے۔ کہ اُس کی ننھی لڑکی کنولا ہمارے
قبضہ میں ہے۔ اگر وہ اپنی بچّی کنولا کی جان کی سلامتی چاہتا
ہے۔ تو وہ ہمیں پچاس ہزار روپے ادا کر دے۔ ہم اُس کی
بچّی کو اُسے واپس کر دیں گے۔"
"اور اگر اُس نے پولیس میں اطلاع دے دی تو؟"۔
"تو ہم اُس کو جان سے مار دیں گے۔"
منا پتھر کے ستون کے پیچھے اور دبک کے چھپ
گیا۔
تیسرے ڈاکو نے چوتھے ڈاکو سے پُوچھا۔ اور اگر

رام شاہ ساہوکار نے ہمیں پچاس ہزار روپیہ ادا کر دیا۔ تو ہم اس کی لڑکی اسے واپس کر دیں گے۔

• بے وقوف ہو تم! چوتھے ڈاکو نے گرج کر کہا۔ یہ ڈاکو سب کا سردار معلوم ہوتا تھا۔ جب رام شاہ ساہوکار پچاس ہزار روپیہ ہمیں دینے کے لئے آئے گا۔ تو ہم اسے بھی پکڑ لیں گے۔ اور پھر اس کے بیٹوں سے اور رشتے داروں سے رام شاہ کی جان کا ایک لاکھ روپیہ مانگیں گے۔

بہت اچھی ترکیب ہے سردار!

آج رات کو تم نیلا پہاڑ کے آدمیوں کو پیغام بھیج دینا، وہ ایک آدمی کو رام شاہ ساہوکار کے گھر ہمارا پیغام دے کر بھیجیں۔

منا نے ادھر دیکھا جدھر سردار نیلا پہاڑ کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔ کالا پہاڑ سے بھی پرے، اور اس سے بھی اونچا ایک اور پہاڑ نظر آ رہا تھا، جس کا رنگ دور سے بالکل نیلا نظر آتا تھا۔ نیلا پہاڑ کی چوٹی بادلوں میں چھپی ہوئی تھی۔ اتنی دور پہاڑ پر آج رات تک کیسے کوئی آدمی جا سکتا ہے۔ منا کی سمجھ میں یہ بات نہیں آئی۔ پھر بھی اس کی سمجھ میں یہ بات ضرور آگئی۔ کہ دور پرے نیلے پہاڑ

اور اس اُونچے کالے پہاڑ پر کچھ لوگ ایسے ضرور رہتے ہیں۔ جن کی وجہ سے ایک باپ اور اُس کی بیٹی کی زندگی خطرے میں ہے۔

تھوڑی دیر کے بعد سردار نے ایک ڈاکو سے پُوچھا۔ وہ لڑکی کہاں ہے۔ کنولا؟

ڈاکو نے جواب دیا۔ سردار، مَیں نے اُس کو کھانا کِھلا دیا ہے۔ اَور اُسے اُوپر کے کمرے میں بند کر کے تالا لگا دِیا ہے!

بہت اچھا کیا۔ سردار بولا۔ اب تم سب لوگ آرام کر لو۔ دَو راتوں کے جگے ہوئے ہو۔ اَور آج رات پھر جاگنا ہوگا۔

تھوڑے عرصہ کے بعد منا نے سر اُٹھا کے دیکھا، تو سب ڈاکو اپنی اپنی جگہ سو گئے تھے۔ پھر بھی اُس کی ہمت نہ پڑی کہ وہ اُن کے کمرے میں داخل ہو۔ وہ ستون سے بسرک کر واپس باہر کی بیلوں میں چلا گیا، اَور محل کی اُوپر کی منزل کی طرف دیکھنے لگا۔ جہاں کنولا بند تھی۔

منا نے سوچا، بہت سوچا، کہ وہ کیسے اُس لڑکی تک پہنچ سکتا ہے۔ اگر وہ محل کے اندر سے ہو کے جاتا ہے۔ تو ممکن ہے، ڈاکو جاگ جائیں اَور اُسے پکڑ لیں۔ یکایک منا کے

دِل میں ایک خیال آیا، اور وہ اُچھل پڑا۔

ٹُھنگ کا ایک درخت محل کے قریب اُگا ہُوا تھا۔ اُس کی اُونچی شاخیں دُوسری منزل کی کھڑکی سے ٹکراتی تھیں۔ جہاں کنولا قید تھی۔

منّا دھیرے دھیرے ٹُھنگ کے درخت پر چڑھنے لگا۔ چڑھتے چڑھتے وہ دُوسری منزل کی کھڑکی کے قریب پہنچ گیا۔ درخت کی ڈال پر بیٹھے بیٹھے اُس نے جھانک کر اندر دیکھا، تو ایک بستر پر اُسے وُہی لڑکی سوتی ہوئی نظر آئی۔ جسے ڈاکو پکڑ کر جنگل میں لا رہے تھے۔ بے چاری کنولا رو رو کر سو گئی تھی۔ آنسُو ابھی تک اُس کے گالوں پر خُشک نہ ہُوئے تھے۔

مُنّا نے غور سے دیکھا۔ اُس کمرے میں اَور کوئی نہ تھا۔ ڈاکُو نیچے سو رہے تھے۔ منّا ڈال سے لپک کر نیچے کھڑکی میں کُود گیا۔ اُس کے کُودنے سے لڑکی یکایک جاگ گئی۔ اور اُس کے مُنہ سے ہلکی سی چیخ نکلی۔

منّا نے فوراً کہا شش۔ گھبراؤ مت! مَیں تم کو بچانے کے لئے آیا ہُوں!

(۴)

کنولا نے حیران ہو کر پُوچھا۔ تم کون ہو؟

مَیں مُنّا ہوں۔

تم مجھ کو ڈاکوؤں سے کیسے بچاؤ گے۔ تم تو میری طرح بہت چھوٹے ہو، وہ لوگ تم کو دیکھتے ہی مار ڈالیں گے۔ بڑے خُونی ڈاکو ہیں وہ لوگ۔

تم فکر نہ کرو۔ تم اپنا ہات میرے ہات میں دے دو۔ مَیں تم کو اِس کھڑکی سے باہر لے چلتا ہُوں۔

کنولا کھڑکی کے پاس جاکر نیچے دیکھنے لگی۔ پھر کانپ کر بولی۔ ناں بھئی۔ مَیں تو اس کھڑکی سے نیچے نہیں کُود سکتی۔ نیچے گِرتے ہی مر جاؤں گی۔

کھڑکی سے کُودنے کی کیا ضرورت ہے۔ اِس پیڑ کی ڈال کو پکڑ کر میرے پیچھے چلی آؤ۔

اگر اِس پیڑ کی ڈال ٹوٹ گئی؟

نہیں ٹوٹے گی۔

مَیں تو پیڑ پر کبھی چڑھی نہیں! ناں! ناں! مَیں نہیں

آؤں گی!

اچھا ہے۔ تو یہیں ڈاکوؤں کے پاس رہو۔ میں واپس جاتا ہُوں۔ متا ذرا غصّے سے بولا۔ اور کھڑکی کی طرف چلنے لگا۔ اُسے جاتے دیکھ کر کنولا اُس کی طرف دوڑی اور متا کا ہات پکڑ کر کانپتے ہُوئے لہجے میں بولی۔ مجھے چھوڑ کے مت جاؤ!

تو پھر میری بات مانو۔

ڈرتے ڈرتے کنولا نے متا کا ہات پکڑ لیا۔ ڈرتے ڈرتے وہ اُس کے ساتھ پیڑ کی ڈال پر آگئی۔ ڈرتے ڈرتے وہ اُس کے ساتھ پیڑ کے نیچے اُترنے لگی۔ ایک بار تو پیڑ کی ایک ڈال ٹوٹنے والی ہی تھی۔ کر متا نے جلدی سے اُچک کر اُسے اپنی طرف پیڑ کی دُوسری ڈال پر کھینچ لیا۔ آخر بڑی مشکل سے وہ نیچے اُترے۔ اور بھُوتیا محل سے دُور اندر جنگل کی طرف بھاگنے لگے۔ بھاگتے بھاگتے جب وہ جنگل کے اندر پہنچے، تو کنولا کا دم پھُول گیا تھا۔ کانپتی ہُوئی آواز میں بولی۔

تھک گئی۔ اب آگے نہیں چل سکتی۔

متا نے کہا۔ مگر ہم یہاں رُک بھی نہیں سکتے۔ ڈاکو پکڑ لیں گے۔

کنولا بولی - نہیں - مَیں پیدل نہیں چل سکتی - مجھے بگھی منگا دو -

بگھی کیا ہوتی ہے ؟ منّا نے حیرت سے پُوچھا -

واہ ! کنولا ایک دم خوش ہو کر بولی - تم کو بگھی معلوم نہیں ہے - بگھی ایک گاڑی ہوتی ہے - جس کے آگے دو گھوڑے جُتے رہتے ہیں - میرے بابا کے پاس بڑی خوبصورت بگھی ہے - مَیں روز اُس میں بیٹھ کر سیر کو جاتی ہوں - کنولا بہت لاڈ سے بولی !

منّا نے ذرا غصّے سے کہا - یہاں تو دو گھوڑوں کی بگھی نہیں ہے - اپنی دو ٹانگوں کی بگھی پر چلنا پڑے گا -

کنولا نے منہ ٹیکا لیا - بسُور کر بولی - مَیں نہیں جاؤں گی ! نہیں جاؤں گی !!

تو پڑی رہو یہیں پر ! مُنّا نے بے پروائی سے کہا - اور کنولا کو وہیں چھوڑ کر آگے چل دیا -

منّا چند قدم ہی گیا تھا - کہ کنولا نے زور زور سے رونا شروع کیا - منّا واپس بھاگا ہوا آیا - اور اُسے ہات سے پکڑ کر آگے چلنے لگا - تھوڑی دیر میں اُس کا وفادار دوست ڈبو اُس کے ساتھ ہف ہف کرتا ہوا آیا - منّا نے کنولا سے ڈبو کی

پہچان کرائی۔

یہ میرا ڈبّو ہے!

۔۔ ہمارے گھر اس سے بھی اچھا کتّا ہے؟ کنولا نے بڑے فخر سے کہا۔ وہ ولایت پار سے آیا ہے۔

کیا کرتا ہے وہ؟

کچھ نہیں کرتا ہے میری گود میں دن بھر سوتا ہے۔

چھی! وہ بھی کوئی کتّا ہے۔ میرا ڈبو بہت تگڑا ہے۔ میرے سب کام کرتا ہے! منّا نے ڈبّو کو پچکار کر کہا۔ بھیّا! اس بے وقوف لڑکی کو اپنی پیٹھ پر سوار کر لو۔

ڈبو نے چمکتی ہوئی آنکھوں سے کنولا کی طرف دیکھ کر خوشی سے کہا۔ "ہف! ہف!!"

کنولا ڈر کر پیچھے ہٹ گئی۔ بولی۔ یہ تو بہت زور سے بھونکتا ہے۔

مگر تم کو کاٹے گا نہیں۔ تم اس کی پیٹھ پر سوار ہو جاؤ۔

ڈرتے ڈرتے کنولا ڈبو کی پیٹھ پر ہو گئی۔ ڈبو کنولا کو اٹھا کر تیز چلنے لگا۔

کنولا خوش ہو کر۔ سچ سچ۔ یہ تو بگھی سے بھی عمدہ سواری ہے! آؤ۔ منا تم بھی آ جاؤ۔ ڈبو کی پیٹھ پر!

نہیں۔ منا نے جواب دیا۔ ڈبو اِتنا بوجھ نہیں اُٹھا سکتا۔

وہ تھوڑی دُور گئے ہوں گے۔ کہ ایک پیڑ سے چھلانگ لگا کر بندر بھی منا کے کندھے پر آ رہا۔ کنولا اُس کو دیکھ کر ڈر گئی۔ بندر! بندر!! وہ چلا کر بولی۔

منا نے بندر کے جسم پر ہات پھیرتے ہُوئے کہا۔ یہ میاں چخ چخ ہیں۔ اِسی جنگل میں رہتے ہیں۔ ہم نے ان کو اپنا دوست بنا لیا ہے۔

مجھے بہت پیاس لگی ہے! کنولا اپنے ہونٹوں پر زبان پھیر کر بولی۔

منا نے بندر سے پُوچھا۔ اَب یہاں پانی کہاں ملے گا؟ میاں چخ چخ!

بندر نے چلا کر کہا۔ چچا چوں۔ چچا چوں۔

اِتنا کہہ کر بندر منا کی گردن سے کُودا۔ اور زمین پر آ رہا۔ اور اُس نے تیزی سے جنگل میں ایک سمت کو دوڑنا شروع کر دیا۔ ڈبو کنولا کو لے کر اُس کے پیچھے بھاگتا گیا۔ منا اُن دونوں

کے پیچھے دوڑتا گیا۔ تھوڑی دیر میں وہ جنگل کی ایک ڈھلوان کے قریب پہنچ گئے۔

جنگل کی یہ ڈھلوان بڑی خوب صورت تھی۔ ہری ہری گھاس غالیچے کی طرح نرم اور گہری تھی۔ اور اس میں جگہ جگہ بنفشے کے اودے اودے پھول کھلے ہوئے تھے۔ اور ترناری کی بیلوں پر سفید سفید چمکتے ہوئے پھول تھے۔ ڈھلوان کے بیچ میں ایک چشمہ بہتا تھا۔ اور اس کا خوب صورت پانی ترل رل ترل رل کی آواز پیدا کرتا ہوا گھاس پر اوس کے موتی بکھیرتا ہوا گزرتا جا رہا تھا۔

یہاں پر سمبلو کی اور گرُچ کی جھاڑیاں تھیں۔ جن پر گہرے اودے بلکہ جامنی رنگ کے سمبلو اور گرُچ لٹک رہے تھے۔ آس پاس تُنگ کے درخت تھے۔ جن پر جنگلی انگور کی بیلیں چڑھی ہوئی تھیں اور ان پر پکے ہوئے انگوروں کے گچھے لٹک رہے تھے!

اخاہ! ہا ہا! خیہ اوں۔ خیہ اوں!! بندر زور سے چلایا۔ گویا کہہ رہا ہو۔ دیکھا تم نے ہمارا جنگل کتنا خوب صورت ہے!

پہلے تو کنولا اور متا نے گھاس پر لیٹ کر چشمے کا پانی

پیا۔ پھر منّا اور کنولا نے جھاڑیوں سے گرُچ اور سمبلُو کے پھل توڑ توڑ کر کھائے۔ اِتنے میں بند۔ر انگور کی بیلوں پر چڑھ گیا تھا۔ چونکہ بندر وزن میں بہت ہلکا تھا۔ اس لئے وہ بہت اُوپر تک بیلوں پر چڑھ گیا تھا۔ اور وہاں سے انگور کے گچھے توڑ رہا تھا۔ جہاں منّا اور کنولا بھی نہ جا سکتے تھے۔ تھوڑی دیر میں بندر چھ سات گچھے انگوروں کے توڑ کر لایا اور سب نے پیٹ بھر کر کھایا۔

کھانے کے بعد منّا نے کہا۔ اَب یہاں سے چلنا چاہیئے۔

کنولا بولی۔ مجھے تو نیند آ رہی ہے!

منّا نے کہا۔ تو تھوڑی دیر کے لئے سو جاؤ۔

منّا بھی تھکا ہُوا تھا۔ بچہ ہی تو تھا وہ۔ تھوڑی دیر میں منّا اور کنولا دونوں گھاس پر سر رکھ کر سو گئے۔ ڈبو اُن کے قدموں میں سر رکھ کر اُونگھنے لگا۔ بندر رتنگ کی ایک بڑی ڈال سے لٹک کر جھُولا جھُولنے لگا۔ بندر کو نیند بہت کم آتی ہے۔

پتہ نہیں۔ کنولا اور منّا کب تک سوتے رہتے۔ کنولا کو اِتنا یاد ہے کہ کوئی اُس کے چہرے کو زور زور سے

سُونگھ رہا ہے ۔ اُس نے گھبرا کر جو آنکھ کھولی ۔ تو ایک بُھورے رنگ کے بڑے بھالُو کو اپنے اُوپر جُھکا ہوا پایا ۔ کنولا نے زور سے چیخ ماری ۔ منّا کی بھی آنکھ کُھل گئی ۔ اُس نے دیکھا کہ ٹنگ کی شاخوں پر بندر چیخ رہا ہے ۔ ڈبّو ایک درخت کے پیچھے دبک کر ڈر سے بھونک رہا ہے ۔ اور بھالُو اپنے پنجوں پر کھڑا ہو کر کہہ رہا ہے ۔

کھاؤں ! کھاؤں !

ناں بابا ! کنولا ڈر کر بولی ۔ مجھے مت کھانا ! مجھے مت کھانا ۔

کھاؤں ! کھاؤں !! بھالُو غرّا کر بولا ۔

منّا دوڑ کر گربیج کی جھاڑیوں سے گربیج توڑ کر لایا اور اُنہیں بھالُو کے آگے ڈال دیا ۔ کنولا بے حد سہم گئی تھی ۔ کیونکہ بھالُو نے ایک ہات سے کنولا کو پکڑ لیا تھا ۔ دُوسرے ہات سے وہ گربیج کھاتا جا رہا تھا ۔ ریچھ کو گربیج کے پھل بہت اچھے لگتے ہیں ۔

اِتنے میں بندر انگوروں کے گُچھے کے گُچھے اُتار کر بھالُو کے سامنے رکھنے لگا ۔ وہ ایک گُچھا رکھ دیتا ، اور

بھاگ کر دُوسرا گُچھا توڑنے کے لیئے درخت پر چڑھ جاتا - پھر
دُوسرا گُچھا توڑ اور تیسرا توڑنے کے لیئے بیلوں میں غائب ہو جاتا-
بھالُو بڑے مزے سے گُرچ اور انگور کھا رہا تھا - کھاتے کھاتے
جب بھالُو کا پیٹ بھر گیا - تو اُس نے کنولا کا ہات چھوڑ دیا-
کنولا ڈر کے مارے زمین پر گر پڑی - بھالُو نے ایک نظر
سے اُسے دیکھا - پھر اپنے پنجوں پر کھڑے ہو کر وہ کُودا -
اور خوشی سے کُودنے لگا - بھالُو اب کھا کر مست ہو چُکا تھا-
اُسے دیکھ کر بندر بھی خوشی سے ناچنے لگا - ڈبو بھی پیڑ
کے پیچھے سے باہر نکل آیا اور دُم ہلا ہلا کر ناچنے لگا - منا
یہ نظارہ دیکھ کر بہت خوش ہوُا - اور وہ بھی بھالو کے ساتھ
ناچنے لگا - تھوڑے دیر کے بعد کنولا کا ڈر بھی دُور ہو گیا - اور
وہ بھی سب کے ساتھ تالی بجا بجا کر ناچنے لگی -

بھالُو ، منا ، کنولا ، ڈبو اور میاں چُخ چُخ اب سب
ایک دُوسرے کے دوست بن چُکے تھے -

بھالُو ناچتے ناچتے جب تھک گیا - تو گھاس پر لوٹ
پوٹ ہو گیا - کنولا اِس کا تماشہ دیکھ کر بہت ہنسی - اُسے
اپنا سارا ڈر بھول گیا - اُس نے بھالُو کی تھوتھنی کے بیے

لمبے بالوں میں اُنگلیاں پھیر کر کہا ۔ سچ مُچ تم تو بہت اچھے بھالو ہو ! کیا نام ہے تمہارا ؟

بھالو نے دھیرے دھیرے غُرّا کے کچھ اس طرح کہا ۔ غُرّم ۔ غُرّم !

اوہ ! تمہارا نام غرّم ہے ؛ کنولا خوشی سے بولی ۔ منا سُنتے ہو ۔ ہمارے بھالو کا نام غرّم ہے !

تھوڑی دیر کے بعد بھالو نے پھر کنولا کو اور مُنّا کو پکڑ لیا اور اُنہیں اپنے ساتھ لے چلنے پر اصرار کرنے لگا ۔

میاں غرّم ہمیں جانے دو ۔ منّا نے منّت سماجت کی ۔ ڈاکو ہمارا پیچھا کرلیں گے ۔ تو ہم مارے جائیں گے !

کھاؤں ! کھاؤں !! بھالو پھر زور سے چلّایا اور منّا اور کنولا کو پکڑ کر چلنے لگا ۔ فرار کی کوئی صورت نہ دیکھ کر منّا اور کنولا بھی اُس کے ساتھ چلنے لگے ۔ چلتے چلتے یہ سب لوگ ڈھلوان چڑھ گئے ۔ دوسری طرف کوئی جنگل نہ تھا ۔ کوئی پیڑ اور درخت نہ تھا ۔ اُونچی نیچی چٹانیں تھیں ۔ جن میں گہرے گہرے غار دکھائی دیتے تھے ۔ بھالو پھلانگتا پھلانگتا آخر ایک گہرے بھٹ میں جا پہنچا ۔

اِس بھٹ کے اندر کاڑ کے پیڑ کی بہت سی پتوں والی چھوٹی چھوٹی شاخوں کا فرش تھا - یہ بھالو کا گھر تھا - بھالو اِن سب لوگوں کو اس غار میں بند کر کے ایک بھاری پتھر غار کے منہ پر رکھ کر "کھاؤں ! کھاؤں !!" کہتا ہوا چلا گیا -

مُنّا نے کہا - اب یہ اپنی بھالو بیوی کو بُلانے گیا ہے - جب وہ آئے گی ، تو پھر دونوں مِل کر ہم سب کو کھا جائیں گے -

ڈبّو نے ڈر کے کہا - ایہاؤں ! ایہاؤں !

بندر سہم کر بولا - تخ تخ ناؤں اُوں اُوں !! بھئی اب ہم کیا کریں ؟

سوچ سوچ مُنّا کے ذہن میں ایک ترکیب آئی - اُس نے کہا - آؤ کنولا - ہم سب زور لگا کر اس پتھر کو بھٹ کے مُنہ سے ہٹا دیں - اور یہاں سے بھاگ چلیں -

مُنّا اُور کنولا اور بندر نے مِل کر بہت زور لگایا - مگر پتھر بہت بھاری تھا - اپنی جگہ سے نہ ہلا ذرا بھی تو نہ ہلا - ہار کر بندر ایک طرف کو بیٹھ گیا اور اپنا سر کھجانے لگا - کنولا بھی ایک طرف بیٹھ کر کے سسکنے لگی - آخر مُنّا بھی زور لگا

لگا لگا کر تھک گیا۔ مگر پتھر اپنی جگہ سے نہ ہلا۔

مُنّا نے مایوسی سے کہا۔ کہاں پھنس گئے!

کنولا غصّے سے بولی۔ تم مجھ کو یہاں لے آئے۔ ڈاکوؤں کے پاس رہتی، تو وہ جان سے تو نہ مارتے!

مُنّا نے غصّے سے کہا۔ اَب چلی جاؤ۔ اپنے ڈاکوؤں کے پاس۔

مُنّا غُصّے سے کنولا کی پیٹھ کرکے بَیٹھ گیا۔

بہت دیر کے بعد ان لوگوں نے دیکھا کہ کوئی غار کے پتھر کو سامنے سے ہٹا رہا ہے۔

بچاؤ! بچاؤ!! کنولا زور سے چیخی۔ ہمیں بچاؤ۔ ہم اس غار کے اندر قید ہیں!

پتھر تھوڑا سا اپنی جگہ سے سرک گیا۔

بچاؤ۔ بچاؤ! بھگوان کے لئے ہم کو بچاؤ۔ ایک بھالو نے ہمیں یہاں قید کر دیا ہے۔ مُنّا زور سے چلّایا۔

پتھر اپنی جگہ سے ہٹ گیا۔

سامنے بھالو کھڑا تھا۔

اُس کے دونوں ہاتھوں میں شہد کا چھتّہ تھا۔ بھالو

نے آگے بڑھ کر وہ شہد کا چھتّہ اُن کے سامنے رکھ دیا۔
اُور غرّاتے ہُوئے کہنے لگا - کھاؤں! کھاؤں!!
منّا کا ڈر دُور ہو گیا - غزم اُنہیں کھانا نہ چاہتا تھا۔
وہ تو جنگل کے مہمان تھے - غزم اُن کی خاطر کر رہا تھا۔
غزم اُن کے لئے کہیں سے شہد کا چھتّہ توڑ کر لایا تھا -
بھالُو نے ہات مار مار کر شہد کے چھتّے کے کئی ٹکڑے کر
دیئے - اُور اُٹھا اُٹھا کر ٹکڑے کنولا اُور منّا کو دینے لگا -
ہُوں! کنولا خوشی سے بولی - یہ شہد تو بہت عُمدہ
ہے!
اصل جنگل کا شہد ہے! منّا خوشی سے بولا -
چخا چخ! چخا چخ - بندر جلدی جلدی سے شہد کھاتے
ہُوئے بولا - ایسی عمدہ دعوت بندر نے کہاں کھائی تھی - کوئی
جنگل کا ریچھ ہی اُسے شہد کھلا سکتا تھا - کیونکہ شہد کے
چھتّے پر ڈنک مارنے والی مکھیاں ہوتی ہیں - جو ڈنک مار
مار کر بندر کا مُنہ اُور اُس کی ننگی پیٹھ لال کر دیتی ہیں - صرف
ریچھ ہی اپنے گھنے بالوں کی وجہ سے شہد کا چھتّہ اُتار
سکتا ہے - اُور مکھیاں اُس پر ڈنک نہیں مار سکتیں -

ہا ہف! ہا ہف!! ڈبّو خوشی سے شہد کھاتے ہوئے اپنی زبان چاٹتے ہوئے بولا۔

جب سب نے پیٹ بھر کر شہد کھا لیا اور چھتّہ ختم کر دیا تو بھالو سب کو بھت کے باہر لے گیا۔ باہر جا کر بھالو نے سب کو ایک طرف دھکیل دیا ہے۔ اور خود اونچی اونچی اونچی چٹانوں پر پھلانگتا ہوا اُن سے دُور چلا گیا۔ ایک اونچی چٹان پر کھڑا ہو کر بھالو نے اُن سب کو پلٹ کر دیکھا۔ اور ہات ہلا کر غائب ہو گیا۔

منّا نے بھالو کی طرف ہات ہلا کر کہا۔ نمستے۔ بھالو بھیّا۔ تم بہت اچھے دوست ثابت ہوئے۔

پھر منّا نے مُڑ کر کنولا کا ہات پکڑ کر کہا۔ دیکھا۔ بھالو نے ہمیں زندہ چھوڑ دیا۔ آؤ اب یہاں سے چلیں۔

کہاں؟

تمہارے گھر!

میرا گھر تو یہاں سے بہت دُور ہے۔ کنولا اُداس ہو کر بولی۔ وہ تو اُس اونچے نیلے پہاڑ پر ہے۔ اور مجھے تو راستہ بھی معلوم نہیں ہے!

پرواہ نہیں ! راستہ ہم خود ڈھونڈ لیں گے ۔ وہ سامنے جو نیلا پہاڑ نظر آتا ہے ۔ جبتک وہ نظر آتا رہیگا ۔ ہم راستہ ڈھونڈ لیں گے ۔ مگر ہمیں بہت جلدی جانا چاہئیے ۔

ایسی جلدی ہی کیا ہے ؟ کنولا بولی ، مَیں بہت تھک گئی ہُوں ۔ کل صبح چلیں گے !

نہیں ۔ ہم لوگ ایک لمحے کے لئے آرام نہیں کر سکتے ۔

کیوں ؟

کیونکہ ڈاکوؤں کو اب تک تمہاری غیر حاضری کا پتہ چل چُکا ہوگا ۔ اور وہ لوگ ہمیں تلاش کرتے ہوں گے ۔

مگر وہ یہاں کیسے آئیں گے ۔ یہ جگہ تو اس جنگل سے بہت دُور ہے !

دُور تو ہے ۔ مگر ایک ڈر اَور بھی تو ہے !

وُہ کیا ؟

نیلا پہاڑ پہنچ کر تمہارے پتا جی کو بچانا ہے !

وُہ کیسے ؟

مَیں نے ڈاکوؤں کو بات چیت کرتے ہوئے سُن لیا ہے ۔ وُہ لوگ اَب تمہارے باپ کو پکڑ کر اُس سے روپیہ لیں گے !

کنولا نے کہا ۔ تو چلو ۔ ابھی چلو ۔ اَب مَیں ایک منٹ

آرام نہ کروں گی ۔ راتوں رات چل کر اپنے پتا جی کو خبردار کر دوں گی ۔

— تو چلو ڈبو ۔ منا نے ڈبو کو اشارہ کیا ۔ اور ڈبو دُم ہلا کر چٹانوں پر چھلانگیں لگانے لگا ۔ اُس کے پیچھے پیچھے بندر بھی روانہ ہوا ۔ اُن دونوں کے پیچھے منا اور کنولا راستہ ڈھونڈتے ہوئے چٹانوں سے نیچے گزرنے لگے ۔ چٹانوں کے نیچے گہری وادی تھی ۔ اور وادی کے اُس پار نیلا پہاڑ تھا ۔ جہاں اِس قافلے کو جانا تھا! —— مگر یہ پہاڑ بہت اُونچا تھا ۔ سر اُٹھا کر آسمان کی طرف دیکھتے تو اس کی چوٹی نظر آتی تھی ۔ اِس پہاڑ کی چوٹی پر سفید برف جمی تھی ۔ اور برف کے نیچے سبز سبز دیواروں کا ایک جنگل تھا ۔ اور اس جنگل کے ایک سرے پر ایک اُونچی چٹان پر ایک خوبصورت گڑھی نظر آتی تھی ۔ جس کی گلابی رنگ کی خوشنما چھتیں اِتنی دُور سے صاف صاف نظر آتی تھیں ۔

کنولا نے اُمید اور غرور سے اُنگلی اُٹھا کر کہا ۔ ا —— اُس گڑھی کو دیکھتے ہو ۔

ہاں بہت خوبصورت قلعہ سا معلوم ہوتا ہے !

کنولا بولی - بس وہی ہمارا گھر ہے - اُسی میں میرے پاپا رہتے ہیں! وہیں ہم جائیں گے! منّا نے بڑی مضبوطی سے کہا - چلو! میرے دوستو! نیلا پہاڑ!!!

---

(۵)

چاروں دوست ساری رات چلتے رہے - پہلے تو انھوں نے کالا پہاڑ کی گھاٹی طے کی - پھر نیچے کی ندی کو پار کیا - پھر وہ نیلا پہاڑ کی چڑھائی چڑھنے لگے - جب کنولا بہت تھک جاتی - تو ڈبّو اُسے اپنی پیٹھ پر سوار کر لیتا - نیلا پہاڑ کی چڑھائی کالے پہاڑ سے بھی کٹھن تھی - راستہ بہت تنگ اور چھوٹا سا تھا - اِتنا چھوٹا سا کہ ذرا سی بھول چوک ہو جاتی - تو وہ سب لوگ ہزاروں فٹ نیچے گہری کھڈ میں گر پڑتے - مگر یہاں بچ بچ سفر کے معاملے میں بہت ہوشیار ثابت ہوئے - وہ بہت دیکھ بھال کے راستہ طے کرتے تھے - پہلے پہلے تو اُنہیں راستے میں کاؤ کا گھنا جنگل ملا -

جس میں کہیں کہیں کٹھل کے بڑے بڑے پیڑ تھے۔ ادھر بڑے بڑے کئی سیر وزن والے کٹھل لگے ہوئے تھے۔ اس جنگل کی چپڑھائی چڑھ کے وہ لوگ ادھر پہنچے تو گھنے چیل اور دیوداروں کا جنگل شروع ہوگیا یہاں تک پہنچتے پہنچتے رات کا اندھیرا ہوچکا تھا۔ اور صبح کا اجیارا نمودار ہوچکا تھا۔ سارا جنگل اوس کے پانی سے بھیگا ہوا تھا۔ اور آسمان پر کہیں اکا دکا بادل بھی نظر آنے لگے تھے۔ پھر تھوڑی دیر میں سورج بھی نکل آیا۔ اور جنگل کے سایے میں کہیں کہیں سنہری دھوپ کی شطرنجی یوں نظر آئی۔ گویا کوئی سنہرا غالیچہ بچھا ہو۔ منا کو یہ جنگل بہت پسند آیا۔ رات کو تو یہ جنگل ڈراؤنا معلوم ہوتا تھا۔ لیکن اس وقت دھوپ میں یہ جنگل بہت سہانا معلوم ہوتا تھا۔ رات بھر کے جاگے ہوئے بچوں کے قدم قدم چل چل کر بھاری ہو رہے تھے۔ آخر وہ لوگ ایک خوبصورت چشمے کے قریب جا کر رک گئے۔

کنولا بولی۔ بس اب یہاں سے ہمارا گھر صرف ایک میل دور ہے۔

تمہیں کیسے معلوم ہے! منا نے پوچھا۔

کنولا بولی - اِس چشمے سے ہمارے گھر پانی جاتا ہے۔
منّا نے کہا - تو سمجھو، تمہارے گھر آ گئے -
ہاں - لیکن مَیں بہت تھک گئی ہُوں - تھوڑی دیر یہاں آرام کر لیں -

بچّوں نے ٹھنڈا تازہ پانی پیا - پھر گھاس پر دو گھڑی آرام کرنے کے لئے جو لیٹے تو وہیں سو گئے -

سوتے سوتے جانے کتنا عرصہ گزرا ہو گا - اس عرصے میں ٹیو بار بار بھونکا - میاں چِخ چِخ نے بھی بہت شور مچایا - مگر بچّے اِتنے تھکے ہُوئے تھے کہ لمبی تان لے کر سوئے پڑے تھے - بالکل بے سُدھ! بہت عرصے کے بعد جب بندر نے اُنہیں ہات سے ہِلا ہِلا کے جگایا - تو وہ اِک دم ہڑبڑا کے جاگے - اور جاگتے ہی کنولا نے کیا دیکھا - کہ اُس کے پِتا اُس کے سامنے کھڑے ہیں - اور اُن کی آنکھوں میں آنسو ہیں - کنولا نے چِلّا کے کہا پِتا جی! اور وہ اُن کی ٹانگوں سے لپٹ گئی - روتے ہوئے باپ نے اَپنے خوشی کے آنسو پُونچھ کر اپنی بچّی کو اُٹھا کر گلے سے لگا لیا - اور بھینچ بھینچ کر پیار کیا -

کنولا نے منا کو اپنے پتا سے ملایا۔ پتا جی۔ یہ منا ہے۔ اسی نے ڈاکوؤں کے چنگل سے مجھے چھڑایا ہے۔

کنولا کے پتا نے منا کے سر پر ہات پھیرا۔

اس کے بعد کنولا نے جو گھوم کر دیکھا، تو اُسے نظر آیا۔ کہ اُس کے پتا جی کے پیچھے کچھ لوگ بندوقیں ہات میں لئے خاموش کھڑے ہیں۔ اُن میں سے چند ایک کو کنولا نے پہچان لیا۔ اپنے باپ کے گلے سے چمٹ کر اور ڈر کر بولی۔ پتا جی، یہی لوگ تو وہ ڈاکو ہیں۔ جنہوں نے مجھے قید کر لیا تھا۔

ہاں بیٹی۔ کنولا کے باپ نے سر جھکا کے کہا۔ میں جانتا ہوں۔ اب انہی لوگوں نے مجھے بھی دھوکے سے پکڑ لیا ہے۔

قصّہ یہ ہوا تھا۔ کہ جب ڈاکوؤں نے کنولا کو اپنے قید خانے سے غائب دیکھا تو وہ فوراً گھبرا گئے۔ انہوں نے سوچا اب اُن کی چال اُلٹی پڑ جائے گی۔ اگر انہوں نے فوراً کنولا کے باپ کو گرفتار نہ کر لیا۔ اس لئے کنولا کو ڈھونڈھنے کے بجائے انہوں نے راتوں رات نیلا پہاڑ

جانے کی ٹھانی - وہاں پر اُن کے ساتھی ڈاکوؤں کا دُوسرا گروہ
رہتا تھا - اِتفاق سے جس وقت ڈاکو وہاں پہنچے - کنولا کا باپ
پچاس ہزار روپیہ لے کر اپنی بیٹی کو چھڑانے کے لیئے اُن کے
پاس پہنچا ہُوا تھا - ڈاکوؤں نے عین وقت پر پہنچ کر اُسے پکڑ
لیا - اب وہ اُسے ٹوٹے ہُوئے کھنڈر میں واپس لے جا رہے
تھے ، جہاں اُنہوں نے کنولا کو رکھا تھا - اور اب انہوں نے
کنولا کے باپ سے کہہ دِیا تھا ، کہ وہ اُسے اُس وقت تک
نہ چھوڑیں گے - جب تک اُنہیں ایک لاکھ روپیہ نہ مِل جائیگا!
کنولا کے پِتا نے کہا - میرے پاس اَب ایک لاکھ روپیہ
کہاں ہے ؟ جو تھا وہ سب مَیں نے اپنی بیٹی کو چھڑانے
کے لیئے تمہیں دے دِیا - ظالمو ، اب تو مجھ پر دیا کرو!
مگر ڈاکوؤں نے ایک نہ سُنی - وہ بولے - اب تو تمہاری
بیٹی بھی ہمیں پھر سے مِل گئی ہے - اب تو تمہیں ضرور ہی
ہمیں ایک لاکھ روپیہ دینے دینا ہوگا - نہیں تو ہم سب کو
جان سے مار ڈالیں گے - اور روپیہ ملے نہ ملے - ہم اس
لڑکے کو تو ضرور جان سے مار ڈالیں گے - جس نے کنولا کو
ہمارے قبضے سے نکال کر بھگایا تھا -

اِتنا کہہ کر ایک ڈاکو نے منّا کو کان سے پکڑ لیا اور
اُسے اِتنے زور سے پیٹا۔ کہ بے چارہ منّا بے ہوش ہو
گیا۔ تھوڑی دیر کے بعد بے ہوش منّا کو ڈاکو نے اُٹھا
لیا۔ اور دُوسرے ڈاکوؤں نے بندوقیں تان لیں۔ کنولا
اور اُس کے باپ کو ڈرا ڈرا کر نیچے جنگل کی طرف لے
جانے لگے۔ اُن کا اِرادہ نیلے پہاڑ سے کالا پہاڑ کے
کھنڈروں میں جانے کا تھا۔ جو اُن لوگوں کا عرصہ سے
ہیڈ کوارٹر تھا۔

منّا جب ہوش میں آیا۔ تو اُس نے اپنے آپ کو
ایک ڈاکو کی پیٹھ پر پایا۔ مگر وہ دم سادھے چپکا پڑا
رہا۔ اُس نے دیکھا، تو اُسے اپنا وفادار دوست ڈبو
دُور چیڑھ کے درختوں میں چھپتا چھپاتا پیچھے پیچھے آتا
نظر آیا۔ میاں چج چج کا پہلے تو کچھ پتہ نہ چلا۔ منّا نے
سوچا۔ جنگل کا بندر ہے۔ ڈر کے مارے بھاگ گیا ہوگا۔
جنگلی لوگوں کا کیا بھروسہ؟ —— پھر جب اُس نے اُوپر
نگاہ ڈالی۔ تو اُس نے میاں چج چج کو درختوں کی شاخوں
پر بھاگتے اور پھلانگتے دیکھا۔

تھوڑی دیر کے بعد منّے نے آنکھیں کھولیں اور آہستہ آہستہ ہنسنے لگا۔ ڈاکو نے بڑی سختی سے اُس سے کہا۔

ہنستے کیوں ہو؟

—

کچھ نہیں۔ یونہی!

ڈاکو نے منّا کو اپنی پیٹھ سے اُتار دِیا۔ بولا۔ میرے آگے آگے چلو۔

مجھ سے چلا نہیں جاتا۔ منّا نے غُصّے سے کہا۔

چلو! ڈاکو گرج کر بولا۔ نہیں تو گولی مار دُوں گا۔

منّا جلدی جلدی ڈاکو کے آگے قدم اُٹھانے لگا۔

اور تھوڑی دیر کے بعد گنگنانے لگا۔

میاں بندر میاں بندر

مایا مچھندر مایا مچھندر

آگے ایک چٹان پیچھے ایک چٹان

بیچ میں ریچھ بھائی کا مکان!

ریچھ بھائی کے مکان پر جاؤ

ننھے مُنّے کی بپتا کہہ سُناؤ!

کیا کہہ رہے ہو؟ ڈاکو نے گرج کر کہا۔

کچھ نہیں ! منا بولا - ایک گیت گا رہا ہوں -

چپ رہو !

منا فوراً چپ ہو گیا - لیکن اُس نے چور نگاہ سے دیکھا - تو بندر درخت سے غائب ہو چکا تھا - اور نیچے جنگل میں دوڑتا ہوا چلا جا رہا تھا -

دوپہر تک ڈاکوؤں نے دیودار کا جنگل پار کر لیا - اب وہ کاڈ کے گھنے جنگل میں پہنچ چکے تھے - جہاں بڑے بڑے کٹھل کے درخت بھی تھے - ڈاکوؤں کو چونکہ پولیس کے پیچھا کرنے کا بھی ڈر تھا - اس لئے انہوں نے دن ڈھلنے تک اِسی گھنے جنگل میں پناہ لینے کی ٹھانی - اور جنگل کے ایک گھنے جھنڈ میں جس کے چاروں طرف کٹھل کے بڑے بڑے گھنے درخت تھے - اور یہاں دوپہر کو بھی رات کا اندھیرا سا معلوم ہوتا تھا - وہاں پر انہوں نے اپنا پڑاؤ ڈال دیا -

یہاں پر ڈاکوؤں نے کھانا کھایا - اپنی پیٹیاں کھول کر ستانے لگے - اور ایک سو بھی گیا - لیکن بہت سے ڈاکو جاگتے رہے - اور اپنے قیدیوں کے اِرد گرد بڑی ہوشیاری

سے پہرہ دیتے رہے۔

جب دن ڈھل گیا، اور رات سر پر آگئی۔ تو ڈاکوؤں نے اس خفیہ جگہ سے نکل کر کالا پہاڑ پر جانے کی ٹھانی۔ وہ ڈاکو جو منا کی حفاظت کرتا تھا۔ اس نے ڈاکوؤں کے سردار سے کہا۔ اس بد ذات لڑکے کو ساتھ لیے پھرنا کہاں کی عقل مندی ہے۔ اور اس سے ہمیں فائدہ بھی کیا ہوگا۔ کنولا اور اس کے باپ سے پھر بھی امید ہے۔ کہ ایک لاکھ روپے مل جائیں۔ اس غریب لڑکے کے ماں باپ سے تو ایک دھیلہ ملنے کی امید نہیں ہے!

پھر؟ ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔ تم کیا چاہتے ہو؟

میرا خیال ہے۔ اس لڑکے کو یہیں گولی مار دی جائے۔ اور اس کی لاش کو اسی جنگل میں گاڑ کے آگے چلا جائے!

کنولا نے رو رو کر اپنے باپ سے کہا۔ پتاجی۔ منا نے میری جان بچائی تھی۔ آپ اس کی جان بچائیے!

کنولا کے باپ نے ہاتھ جوڑ کے ڈاکوؤں کے سردار سے کہا۔ اس غریب کی جان کیوں لیتے ہو۔ اس نے تمہارا کیا بگاڑا ہے۔ دشمنی تمہاری ہم سے ہے۔ پیسہ تم نے مجھ

سے لینا ہے۔ اس ننھے بچے کی جان کیوں لیتے ہو!

جواب میں ڈاکوؤں کے سردار نے اتنے زور کا مکا کنولا کے پتا کے منہ پر مارا۔ کہ اُس کے منہ سے خون جاری ہو گیا۔ اور وہ اُس کے آگے کچھ بول نہ سکا۔

ڈاکوؤں کے سردار نے کہا۔ لے جاؤ۔ اس بدمعاش لڑکے کو۔ اور اسے باندھ دو اُس درخت کے تنے سے۔ اور مار دو گولی اس کے سینے میں!

ایک ڈاکو نے منا کو پکڑ لیا۔ اور اُسے کٹھل کے ایک بڑے پیڑ کے پاس لے جا کے باندھنے لگا۔

کنولا رو رہی تھی۔

منا زور زور سے گا رہا تھا۔

میاں بندر میاں بندر
مایا مچھندر مایا مچھندر
بھائی غزم آئے۔ منا کی جان بچائے۔
آگے نہ جانے پائے۔ پیچھے نہ جانے پلٹے
کٹھل کے نیچے موت کھڑی
جھالی!

لگا دے کٹھل کی جھڑی !

ڈاکو نے بندوق تان لی - اور متا کا نشانہ کیا -

ڈاکوؤں کے سردار نے کہا - ایک ---

متا زور سے چلایا - مہابلی ! لگا دے کٹھل کی جھڑی !!

دو !

نین کھلنے سے پہلے یکایک چاروں طرف سے پیڑوں کی شاخوں پر سے بڑے بڑے کٹھل ڈاکوؤں کے سر پر پھینکے جانے لگے - ڈاکو کا نشانہ چوک گیا - کٹھل اس زور سے اُس کے سر پر پڑا تھا کہ بندوق ہی اُس کے ہات سے چھوٹ گئی - چاروں طرف سے بڑے بڑے کٹھلوں کی بارش ہو رہی تھی -

رات کا وقت تھا - ڈاکوؤں کو کچھ نظر نہ آتا تھا - کہ کدھر سے کون حملہ کر رہا ہے - چاروں طرف سے بڑے بڑے کٹھل پھینکے جا رہے تھے -

ڈاکوؤں کے سردار نے چلّا کر کہا - پولیس آ گئی - پولیس آ گئی ! بھاگو ! بھاگو !!

ڈاکو وہیں اپنی بندوقیں اور دوسرا سامان چھوڑ کر بھاگ

کھڑے ہوئے۔ تھوڑی دیر میں میدان صاف تھا۔ اِتنے میں
جھپ جھپ کرتے دس بارہ بندر اور چھ سات ریچھ درختوں
سے اُترے۔ اُن کے آگے آگے میاں چخ چخ اور بھائی غرّم
غرّاتے ہوئے چلے آ رہے تھے۔ وہ لوگ آتے ہی منّا سے
لپٹ گئے۔ میاں چخ چخ نے آتے ہی دانت کٹکٹا کے منّا
کی رسیّاں توڑ ڈالیں اور اُسے جھٹ سے آزاد کر لیا۔

کنولا بھاگی بھاگی بھائی غرّم کے پاس آئی۔ اور پیار سے
اُس کے گھنے بالوں میں ہات پھیرنے لگی۔ اُس کا باپ ڈر کے
مارے وہیں کھڑے کا کھڑا رہا۔ اُسے یقین نہیں آتا تھا۔
یہ سب کچھ کیسے ہو گیا؟

کنولا نے اپنے باپ سے کہا۔ یہ بھائی غرّم ہیں۔ اِن
لوگوں نے ہماری جان بچائی ہے۔

مگر یہ۔ تو جنگل کا ریچھ ہے! اُس کا باپ ڈرتے ڈرتے بولا۔
ریچھ تو ہے مگر اِنسان کی شکل رکھنے والے ڈاکوؤں سے بہت اچھا ہے۔
منّا نے میاں چخ چخ کو گلے سے لگا کے کہا۔ اگر اس وقت تم لوگ
درختوں سے کٹھل توڑ توڑ کر کتھاوں کی جھڑی نہ لگا دیتے۔ تو میرا بچنا
مشکل تھا۔

خاؤں خاؤں! ـــــ بندر خوشی سے چیخا۔ گویا کہہ رہا ہو۔ ترکیب اُنہیں نے بتائی تھی۔

غراپ بھائی نے متا کا ہات پکڑ لیا، اور اُسے پہاڑ کی چڑھائی کی طرح کھینچتے ہُوئے بولا۔ غرّاپ غرّاپ!

کنولا اور اُس کے پتا کی سمجھ میں کچھ نہ آیا۔

متّا نے ریچھ کی طرف دیکھا۔

ریچھ نے پھر متا کا ہات پکڑ کے کھینچتے ہُوئے کہا۔ غرّاپ! غرّاپ!

متا یکایک مُسکرا اُٹھا۔ بولا۔ بھائی غرّم کہتے ہیں۔ ڈاکو تو بھاگ گئے ہیں مگر ہم لوگوں کو جلدی کسی محفوظ جگہ پہنچ جانا چاہیے۔

ہماری گڑھی کے سوا اور کونسی جگہ محفوظ ہو سکتی ہے۔ کنولا کے باپ نے کہا۔

تو چلو پتا جی! جلدی سے اپنے گھر چلیں۔

ہاں! یہ ہمارے جنگل کے دوست ہیں، گھر تک تو چھوڑ آئیں گے!

ریچھ نے سر ہلا کے کہا۔ غرّاپ غرّاپ! ـــــ یعنی وقت

کیوں ضائع کرتے ہو، فوراً یہاں سے بھاگ چلو۔

کنولا اور اُس کا باپ اور مِتا ریچھوں اور بندروں کے قافلے کے ساتھ روانہ ہُوئے۔ وفادار ڈبّو مارے خوشی کے بار بار مِتا کے قدم چاٹتا تھا۔ اور دُم ہلا ہلا کر پیار کرتا تھا۔

کنولا کو بھائی غرّم نے اُٹھا لیا تھا۔ دُوسرے ریچھ نے مِتا کو اُٹھا لیا تھا۔ ڈبّو کنولا کے باپ کے ساتھ چل رہا تھا۔ میاں چیں چیں سب کے آگے پھلانگتے جا رہے تھے۔ تھوڑی دیر میں چاند بھی نکل آیا۔ اور جنگل میں سے گزرنے والوں کو راستہ بتانے لگا۔ راستہ میں دو بھیڑیئے نظر آئے۔ مگر اس عجیب و غریب قافلے کو دیکھتے ہی بھاگ گئے۔ ایک موڑ پر تین چیتے نظر آئے۔ اُن کی خوفناک آنکھیں لال لال بتیوں کی طرح جلتی نظر آتی تھیں۔ مگر جب اُنہوں نے چھ سات ریچھوں کو ایک ساتھ آتے دیکھا۔ تو وُہ بھی نظر چُرا کے ادھر اُدھر ہو گئے۔ اور قافلہ آگے بڑھتا گیا۔

گہری رات پھیکی پڑنے لگی۔ قافلے نے کاڈوکا پُل پار کر دیا۔ پھر دیودار کا جنگل بھی پار کر لیا۔ اب پھر صبح ہو چکی تھی۔ اور سامنے کنولا کے باپ کی گُلابی چھتوں والی خوبصورت

گڑھی نظر آ رہی تھی۔ جس کی دیواروں پر گُلاب کی بیلیں لپٹی ہُوئی تھیں۔

کنولا نے خوشی سے چج کو کہا۔ ہم گھر آ گئے۔!

ریچھ اور بندر گڑھی سے کئی سو گز اِدھر آخری درختوں کے سایوں میں رُک گئے۔ انہوں نے منا کو اور کنولا کو اپنی پیٹھ سے اُتارا۔ بھیا غم بولے :-

جھپ جھپ جھائی
ہم ہیں جنگل کے بھائی

دُوسرا ریچھ بولا :-

ہاؤ ہاؤ ہاؤ غاؤ غاؤ غاؤ
جب مُصیبت پڑے ہم کو بُلاؤ

میاں چج چج نے ایک پٹخنی کھائی اور پیڑ کی ایک شاخ سے جھولتے ہُوئے بولے :-

چخر چخر چخر چخر
ہم جاتے اپنے گھر
تم جاؤ اپنے گھر

لا اور منا نے بڑے اُداس دِل سے ہات ہلا ہلا

جنگل کے دوستوں کو الوداع کہی۔ اور کنولا کے پتا کی اُنگلی پکڑ کر گڑھی کے دروازے میں داخل ہو گئے ۔

— ۰۰

---

(۶)

کنولا کے گھر میں منّا کو بہت آرام ملا۔ کنولا اور اُس کے پتا دونوں منّا کو بہت چاہنے لگے تھے۔ منّا کے رہنے کے لئے اُسے ایک الگ کمرہ دے دیا گیا۔ اس کمرے کی دیواروں پر گلابی رنگ تھا۔ کھڑکیوں پر خوبصورت پردے تھے۔ بستر بے حد نرم اور گدگدا تھا۔ اس قدر نرم اور گدگدا، کہ پہلی رات میں تو منّا کو بستر پر نیند ہی نہیں آئی کیونکہ وہ زمین یا کُھردری چارپائی پر سونے کا عادی تھا۔ اس لئے صبح جب نوکرانی اُس کے لئے دُودھ لے کے آئی، تو اُس نے دیکھا، میاں مُنّا بستر پر سونے کی بجائے نیچے فرش پر لیٹے ہُوئے ہیں۔ نوکرانی بھاگی بھاگی کنولا کے پاس گئی۔ اور اُسے بُلا کے لائی۔ کہنے لگی۔ دیکھو اس گنوار کا تماشا!

جب کنولا نے پُوچھا - تو منا نے کہا - کیسا بستر ہے یہ - اس پر مجھے رات بھر نیند ہی نہیں آئی - اس پر کنولا اور نوکرانی دونوں خُوب ہنسے -

منا کے پہننے کے لیے اُسے اچھے اچھے کپڑے دیئے گئے - اُس کے سر کے بال انگریزی ڈھنگ سے کٹوائے گئے - اُسے پاؤں میں موزہ اور جُوتا پہننے کے لیے کہا گیا - منا نے آج تک کبھی جُوتا نہ پہنا تھا - اس لیے اُسے جُوتا پہننا بہت بُرا لگا - ایسا معلوم ہوتا تھا - گویا کسی نے دونوں پاؤں جکڑ کر رکھ دیئے ہوں - اور موزہ تو اُس نے آج تک کبھی دیکھا ہی نہیں تھا - جب نوکرانی موزہ لے کے اُس کے سامنے آئی تو کنولا بھی اُس کے پاس کھڑی تھی - منا نے پُوچھا :-

یہ کیا ہے ؟

موزہ ہے !

موزہ کیسا ہوتا ہے ؟

موزہ جُراب کو کہتے ہیں -

جراب کیا ہوتی ہے -

جراب ؟ ــــ نوکرانی نے جُراب دِکھاتے ہُوئے کہا - یہ

جُراب ہے ۔ اِسے پاؤں میں پہنتے ہیں!

تو یُوں کہو نا! منّا نے ایک دَم بڑی عقل مندی سے کہا ۔ پاؤں کی قمیض ہے! موزہ موزہ کیا لگا رکھی ہے!

جب کنولا نے سُنا کہ مُنّا جراب کو پاؤں کی قمیض کہہ رہا ہے ۔ تو وہ بہت ہنسی ۔ اس پر منّا خفا ہو گیا ۔ اور اُس نے اپنے موزے جُوتے سب نکال پھینکے ۔ اور واپس اپنے گھر جانے جانے کو تیار ہو گیا ۔ بڑی مشکل سے کنولا نے اور کنولا کے باپ نے معافی مانگ مانگ اُس ننھے بچّے کو اپنے گھر رہنے پر راضی کیا ۔

شروع شروع ہی میں منّا کو اس نئی زندگی کو سمجھنے میں تکلیف ہوئی ۔ بعد میں وہ سب سمجھ گیا ۔ بہت جلدی اُس نے کُرسی ، میز ، صوفہ ، باتھ رُوم ، چُھری کانٹا اور کھانے پینے ، سونے بیٹھنے ، بات کرنے کے ڈھنگ سیکھ لیئے ۔ روز شام کو وہ کنولا کے ساتھ چار گھوڑوں والی فٹن میں سوار ہو کر سیر کرنے کے لیئے جاتا تھا ۔ فٹن کے ساتھ حفاظت کے لیئے چار گھڑسوار بندوقیں کاندھے پر ڈالے چلتے تھے ۔ کیونکہ جس دن سے گڑھی پر ڈاکہ پڑا تھا ۔ کنولا کے باپ نے پولیس کی مدد منگا لی تھی ۔

پولیس گڑھی کے باہر پہرہ دیتی تھی ، اور جب کبھی کنولا اور متا یا گھر کے کبھی دُوسرے آدمی کو باہر جانا ہوتا ۔ تو پولیس کے سپاہی اُس کی حفاظت کے لئے ساتھ جاتے ۔ کیونکہ ڈاکوؤں کا خطرہ اب بھی باقی تھا ۔

نیلے پہاڑ کی چوٹی پر سفید برف کو دیکھ کر کئی بار متا کا جی للچایا ۔ کہ وہ پہاڑ کی چوٹی پر جائے اور برف میں کھیلے ۔ متا تو بہت دُور نیچے وادی میں رہنے والا لڑکا تھا ۔ اُس نے بس دُور ہی دُور سے برف دیکھی تھی ۔ وہاں تک جانے کا کبھی اِتفاق نہ ہُوا تھا ۔ متا نے اپنی اس خواہش کا ذکر کنولا سے کیا ۔ اور کنولا نے اپنے باپ سے کہا ۔ تو وہ بولا ۔

نیلے پہاڑ کی چوٹی بہت خطرناک ہے ، وہاں ہر وقت برف رہتی ہے ۔ نیلے پہاڑ کے درّے میں سے ہر وقت خوفناک ہوائیں چلتی رہتی ہیں ۔ اور سُنا ہے ، وہاں اُس درّے میں ایک بُھوت ہی رہتا ہے ۔ اِس لئے ڈر کے مارے اُدھر کوئی نہیں جاتا !

کنولا ڈر کے بولی ، نہ پاپا ۔ تو ہم وہاں نہیں جائیں گے !

منّا بولا۔ جب تو ہم وہاں ضرور جائیں گے۔ اور اس بھوت کو دیکھیں گے۔ مجھے بھوت دیکھنے کا بہت شوق ہے۔

کنولا کے پاپا بولے۔ بھوت کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔ وہ تو بس جس وقت آتا ہے۔ درّے میں طوفان آجاتا ہے۔ بادل گرجنے لگتے ہیں، بجلی کڑکنے لگتی ہے۔ پھر چاروں طرف پہاڑ کی چوٹی پر کہرا چھا جاتا ہے۔ اُس وقت بھوت طوفان میں گاتا ہوا آتا ہے۔ لیکن ہر ایک کو بھوت کی آواز سُنائی نہیں دیتی۔ اور ہر ایک اُس کا گیت سمجھ بھی نہیں آ سکتا۔ لیکن جس کو بھوت کا سایہ نظر آجائے، یا جو اُس کا گیت سمجھ لے۔ سُنا ہے کہ اُس کو بھوت درّے کی دُوسری طرف لے جاتا ہے۔ اور موتیوں سے اُس کی جھولی بھر دیتا ہے۔

مُنّا نے پُوچھا۔ کیا آج تک کوئی درّے سے موتیوں کی جھولی بھر کے واپس آیا۔

کنولا کے پاپا نے کہا۔ ہم نے تو آج تک نہیں دیکھا بس سُنا ہے۔ اور یہ بھی سُنا ہے۔ کہ جس کسی نے درّے کے پار جانے کی کوشش کی، وہ آج تک لوٹ کے نہیں آیا۔

کنولا کانپ کر بولی۔ نہیں پاپا۔ تو ہم کبھی پہاڑ کی چوٹی

بر نہیں جائیں گے۔

منّا ٹھینک کر بولا - نہیں، مَیں برف میں کھیلنا چاہتا ہُوں۔

پاپا بولے - سردیوں میں یہاں بھی برف بہت گرے گی۔ اُس وقت جتنا جی چاہے، برف میں کھیل لینا!

مگر بھوت کی کہانی سُن کر منّا کا دِل پہاڑ کی چوٹی پر جانے کے لئے اور بھی تیار ہو گیا - دو دِن تک وہ خاموشی سے وہاں جانے کی تیاری کرتا رہا۔ اُس نے چُپکے چُپکے اپنے کھانے میں سے بچا کر اپنے سفر کے لئے رکھ لیا - ایک مضبوط چھڑی اپنے ہات میں لی - گرم گرم موزوں کے اُوپر ایک مضبوط جُوتا پہنا - اور ایک صبح کو جب کنولا اور اُس کا پاپا ابھی سو رہے تھے - وہ گودی سے نکل کھڑا ہُوا - اپنے کمرے کی کھڑکی سے پیچھے کو کُود کر باہر چلا گیا - پولیس کے سپاہیوں کو بھی خبر نہ ہُوئی - پھر ابھی سویرا ہُوا نہ تھا - چاروں طرف اندھیرا چھایا ہُوا تھا -

منّا نے اُوپر چوٹی کی طرف دیکھا اور ناک کی سیدھ پر چل پڑا - چلتے چلتے اندھیرا دُور ہو گیا - چاروں طرف صبح کی

ہلکی ہلکی روشنی پھیل گئی - منّا چلتا رہا - چلتے چلتے جب وہ پہاڑ کی چوٹی کے قریب پہنچا - تو اُسے ایک بہت خوبصورت جھیل نظر آئی - یہ جھیل بڑی چھوٹی سی تھی - اس کے پانی کا رنگ آسمان کی طرح نیلا تھا - اور اس کے چاروں طرف برف کے بڑے بڑے پہاڑ کھڑے تھے - اور برف کے بڑے بڑے تودے جھیل میں پڑ رہے تھے - اور جب سُورج کی سُنہری کرنیں جھیل کی سطح پر آکے ناچنے لگیں تو یہ سارا نظارہ مُنّا کی آنکھوں کو بہت بھلا معلوم ہُوا منّا جھیل کے کنارے بیٹھ گیا - کھانے کی پوٹلی اس نے ایک طرف رکھ دی - اور کنارے کی برف کھُرچ کھُرچ کر کھانے لگا - برف بہت سخت تھی - اور کانچ کی طرح چمک دار تھی - لیکن جب مُنہ میں جاتی تھی - تو بڑے مزے سے گھُل جاتی تھی - مُنّا نے برف کے تین چار ٹکڑے اسی طرح توڑ توڑ کر کھائے - اُسے بڑا لُطف آیا - اور یہاں پر بڑی خاموشی تھی - منّا کے آس پاس کوئی بھی نہ تھا - اُسے ایسا معلوم ہُوا - جیسے وہ دُنیا کی چھت پر اکیلا بیٹھا تھا - منّا اپنے دونوں ہات اپنے مُنہ کے قریب لایا - اور زور سے چلّایا -

کوئی ہے ؟

اُس کی آواز دُور دُور تک پہاڑوں پر پھیل گئی ۔ اور وہاں سے ٹکرا کر گونجتی ہوئی واپس آئی ۔

کوئی ہے ؟ کوئی ہے ؟؟ کوئی ہے ؟؟؟ پہاڑوں کی چوٹیوں سے جواب آیا !

ہاہا ؟ منّا زور سے ہنسا ۔

اُس کی ہنسی کی گونج پھر پہاڑوں سے ٹکرا کر پلٹی۔

ہاہاہاہا !!!

ایسا معلوم ہوتا تھا ۔ گویا سارے پہاڑ مل جُل کر مُنا کے ساتھ ہنس رہے ہیں ۔ منّا کو واقعی بہت مزہ آیا ۔

تھوڑی دیر کے بعد منّا کو بھوک لگی کیونکہ وہ تھکا ہوا تھا ۔ صبح سے چل رہا تھا ۔ اور اب اُسے بہت زور کی بھوک لگی تھی ۔ اُس نے پیچھے مُڑ کر جہاں اُس نے کھانے کی پوٹلی رکھی تھی ۔ کھانا اُٹھانے کے لیئے ہات بڑھایا۔ تو کیا دیکھتا ہے ۔ پوٹلی غائب ہے !

منّا بہت حیران ہوا ۔ ایں ! پوٹلی کدھر غائب ہوگئی۔ ابھی تو یہاں رکھی تھی ۔ اُس نے اِدھر اُدھر دیکھا ۔

کھانے کی پوٹلی کہیں نظر نہ آئی ۔ اور آس پاس کیا دور دور تک کوئی موجود نہ تھا ۔

۔۔ حیرت ہے ۔ کہاں گئی میری پوٹلی ؟ پہاڑ زور زور سے گونج اُٹھے ۔ متنا بہت گھبرا گیا ۔ اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگا ۔ شائد اُس نے بھول کر پوٹلی کہیں اور جگہ رکھ دی تھی ۔ وہ جھیل کے کنارے سے اُٹھ کر برف کے بڑے بڑے تودوں کے پیچھے اپنی پوٹلی کو ڈھونڈنے لگا ۔

یہاں چٹانیں بھی برف کی تھیں ۔ اور راستہ بھی برف کا تھا ۔ اور برف کے سوائے یہاں اور کچھ نہ تھا ۔ نہ درخت نہ گھاس ۔ نہ پھل نہ پھول ۔ کچھ بھی تو نہ تھا ۔ جسے وہ کھا سکتا ۔ اور برف سے بھوک نہیں مٹتی ، صرف پیاس بجھتی ہے ۔ اور وہ اب کنولا کے بابا کی گڑھی سے بہت دور تھا ۔ وہاں تک پہنچتے پہنچتے اُسے رات ہو جائے گی ۔ شائد اس بھوک میں وہ چل ہی کیسے سکیگا !

چلتے چلتے راستہ تنگ ہوتا گیا ۔ برف کے پہاڑ اُونچے ہوتے گئے ۔ تھوڑی دیر کے بعد درّے سے تیز تیز ہوائیں خراٹے بھرتے ہوئے گزرنے لگیں ۔ متنا نے اپنے کوٹ

کے کناروں میں اپنا چہرہ چھپا لیا ۔ اور راستہ ڈھونڈنے لگا ۔ مگر اب پوٹلی تو کیا راستہ تلاش کرنا ہی مشکل تھا ۔ چاروں طرف دُھند چھا گئی تھی ۔ راستہ نہ آگے نہ پیچھے کا اُسے نظر آتا تھا ۔ منا برف کے تودوں میں ٹھوکریں کھاتے ہوئے چلنے لگا ۔ تھوڑی دیر میں بادل گرجنے لگے ۔ اور موٹی موٹی بوندیں پڑنے لگیں ۔ تھوڑی دیر کے بعد بارش بند ہو گئی ۔ اور روئی کے گالوں ایسے نرم نرم برف کے گالے پڑنے شروع ہو گئے ۔ برف کے گالے منا کے کوٹ پر پڑتے اور پڑتے ہی گھُل جاتے ۔ منا واپس جانے کے لئے راستہ ڈھونڈنے لگا ۔ مگر اب وہ برف کے تودوں کی ایسی بھول بھلیوں میں پھنس چکا تھا ۔ کہ اِسے یہ بھی معلوم نہ ہوتا تھا ۔ کہ وہ آگے جا رہا ہے یا پیچھے کو مُڑ رہا ہے ۔

چلتے چلتے ، ٹھوکر کھاتے ، گرتے پڑتے ، ہواؤں کے تیز خراٹوں میں اُسے گیت سُنائی دیا ۔

بُڑھیا چلائے چرخہ
چرخہ کاتے سُوت
میں ہوں ورے کا بھوت

آگو باگو جاگو
مجھ سے دُور دُور بھاگو
مَیں ہوں درّے کا بھُوت!

یکایک ایک موڑ پر منّا کو ایک سایہ سا دِکھائی دیا۔
اِس سائے کے ہات میں ایک چھوٹی سی پوٹلی تھی۔ یہ سایہ
پوٹلی لئے موڑ پر سے ایک چھلاوے کی طرح غائب ہو گیا۔
منّا کو اُس وقت اتنی بھوک لگ رہی تھی۔ کہ اُس کے
دِل سے بھُوت کا ڈر نکل چُکا تھا۔ اُسے صرف اتنا یاد تھا۔
کہ وُہ بھُوکا ہے۔ اور کوئی اُس کی پوٹلی اُٹھائے بھاگا
جا رہا تھا۔ منّا بھُوت کے پیچھے پیچھے بھاگا۔ مگر راستہ
بہت دُشوار تھا۔ برف گر رہی تھی۔ اور طُوفان چاروں
طرف گرج رہا تھا۔ مگر منّا نے بھی ہِمت نہیں ہاری۔ وہ
لڑکھڑاتے ہُوئے دَوڑتے ہُوئے آگے ہی آگے چلتا گیا۔
اور چلتے چلتے چوٹی کا طُوفانی درّہ پار کر گیا۔ درّہ پار کرتے
ہی وہ چوٹی کے دُوسری طرف آگیا۔ یکایک برف بند ہو
گئی۔ طُوفان ختم ہو گیا۔ منّا نے دیکھا کہ وہ پہاڑ کی
دُوسری طرف کھڑا ہے۔ یہاں آسمان صاف ہے۔ دُھوپ

نکلی ہوئی ہے۔ اور منّا نے دیکھا کہ پہاڑ کی ایک بڑی سی کھوہ کے باہر بھوت اُس کی طرف پیٹھ کئے بیٹھا ہے۔ اور اُس کی پوٹلی کھول کر کھانا کھا رہا ہے۔

منّا تیز تیز قدموں سے بھاگتے ہوئے بے اختیار بھوت کے پاس چلا گیا اور غصّے سے چلّایا۔ مَیں تمہارے ایسے کبھی بھوت، پُوت سے نہیں ڈرتا۔ لاؤ، میرے کھانے کی پوٹلی واپس کر دو!

بھوت مُنّے کی آواز سُن کر چونکا۔ اور کھانا کھاتے ہوئے پلٹا۔

اُسے پلٹتے دیکھ کر منّا زور سے چلّایا۔ باپُو!!

واقعی یہ مُنّا کا بھاگا ہُوا باپ تھا۔ اُسکی ڈاڑھی بڑھی ہوئی تھی۔ اُسکی آنکھیں لال اور خوفناک تھیں، اور اُسکے گال اندر کو دھنسے ہوئے تھے، اور اُس کے کپڑے پھٹے ہوئے تھے۔ اور وہ اُس وقت ایک بھوت کی طرح خوفناک دِکھائی دے رہا تھا۔

باپُو! منّا پھر زور سے چلّایا۔

یکایک باپ نے منّا کو پہچان لیا۔ اُس نے کھانے کی پوٹلی چھوڑ دی۔ اور بے اختیار دونوں باہیں پھیلا کر اپنے

بچّے کو اپنی گود میں لے لیا۔

میرے مُنّے! میرے منّے!!

وہ اپنے بیٹے کا منہ چُومنے لگا۔ موٹے موٹے آنسُو اُس کے گالوں سے لڑھک کر منّا کے چہرے پر بہنے لگے۔ منّا بھی اپنے باپ کے گلے سے چمٹا ہُوا خوشی کے آنسُو رو رہا تھا۔

دُور دُور تک اُن کے چاروں طرف تنخری نکھری روشنی پھیلی ہُوئی تھی۔ اور برف کے تودوں پر سُورج کی کرنیں مُسکرا رہی تھیں۔ اور نیچے پہاڑوں کے جنگلوں میں مور خوشی سے ناچ رہے تھے۔ اور بُلبلیں باپ اور بیٹے کے ملاپ پر خوشی کے گیت گا رہی تھیں۔

---

(۷)

تھوڑی دیر کے بعد جب باپ اور بیٹا اچھی طرح سے گلے لگ چکے۔ تو منّا نے اپنے آنسُو پونچھ کر کہا۔ "باپُو تم

تم بھاگے کیوں ؟"

'بیٹیا ! باپ نے جواب دیا - میرے خلاف پولیس کو اتنے ثبوت پہنچائے گئے تھے - اور پولیس والوں کو اتنا یقین دلایا گیا تھا - اور میرے خلاف اتنے گواہ کھڑے کر دیئے تھے - کہ میں نے ہی اپنی بیوی اور تمہاری ماں کو قتل کیا ہے - کہ اگر موقع سے بھاگ نہ جاتا ، تو آج مجھے پھانسی ہو جاتی !

پھانسی ؟ ـــ ڈر کے مارے منا اپنے باپ سے لپٹ گیا۔

ہاں بیٹیا ! پھانسی - باپ نے منا کو پیار کرتے ہوئے کہا - اسی لئے تو میں سب کی نگاہوں سے چھپ کر نیلے پہاڑ کے درے پر آ گیا ہوں - اور ایک اندھیری کھوہ میں رہتا ہوں - میرے کپڑے پھٹ گئے ہیں ، میری ڈاڑھی بڑھ گئی ہے - اور کتنی کتنی دن مجھے فاقے سے رہنا پڑتا ہے - اور لوگ مجھے بھوت سمجھتے ہیں - اور ڈر کر اِدھر نہیں آتے !

مگر تم بھوت نہیں ہو - تم تو میرے پتا ہو ! منے نے پھر اپنے باپ سے لپٹ کر کہا -

منے کا باپو چپ ہو گیا - اور پیار سے منا کے اُلجھے ہوئے بالوں سے کھیلنے لگا - منا نے سوچ سوچ کر کہا - باپو

تم میرے ساتھ کنولا کے گھر چلو۔ یہاں رہنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ وہاں تم کو بہت آرام ملے گا۔

۔۔ نہیں بیٹے۔ وہاں جاؤں گا، تمہارے ساتھ رہوں گا تو سب کو خبر ہو جائے گی۔

پولیس میرا پیچھا کرے گی۔ اور مجھے پکڑ لے گی۔

باپو، جب تم بالکل نردوش اور بے گناہ ہو۔ تو تمہیں پولیس سے کیا ڈر؟

بیٹا۔ آج کل زمانہ ایسا ہے کہ بے گناہ مارے جاتے ہیں۔ اور گناہ گار بچ جاتے ہیں۔ جب تک نہیں یہ معلوم نہیں ہو جاتا۔ کہ تمہاری ماں کا اصلی قاتل کون ہے۔ اُس وقت تک میری جان خطرے میں رہے گی۔

منّا نے ضد کرتے ہوئے کہا۔ نہیں، باپو۔ تم میرے ساتھ چلو۔ ہم دونوں مل کر ماں جی کے اصلی خونی کو ڈھونڈیں گے۔ اور اُسے پولیس میں پکڑوا دیں گے۔ تم بہت چھوٹے سے بچے ہو۔ تم کیا کر سکتے ہو۔ منّا کے باپ نے مایوسی سے کہا۔

میرا قد چھوٹا ہے۔ لیکن میرا دل بہت بڑا ہے باپو۔ میں جنگل جنگل اکیلا گھوم آیا ہوں۔

شاباش بیٹا ! اُس کے باپ نے مُنّا کو تھپکی دیتے ہُوئے کہا ۔ اب تم واپس کنولا کی گڑھی میں جاؤ ۔ یہاں زیادہ دیر تک رہنا ٹھیک نہیں ہے ۔ یہاں کسی وقت بھی برف کا طوفان شروع ہو سکتا ہے !

نہیں نہیں باپُو ۔ مَیں تمہیں لے کر جاؤں گا ! مُنّا نے ٹھنکتے ہُوئے کہا ۔ اور باپ سے بچھڑنے کا خیال ہی سے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے !

باپ نے بیٹے کو پیار کرتے ہوئے کہا ۔ مُنّے ، تم جاؤ ۔ مَیں وعدہ کرتا ہُوں ۔ مَیں ہر روز رات کو تمہارے پاس آیا کرُوں گا ۔ جب سب لوگ سو جایا کریں گے ۔ اور رات بھر وہیں تمہارے کمرے میں سویا کرُوں گا ! ٹھیک ہے ؟

ہاں یہ تو ٹھیک ہے ! مُنّا نے خوشی سے سر ہلا کے کہا ۔ تمہارا کمرہ کون سا ہے ؟ ۔۔۔ مطلب یہ ۔۔۔ کہ ۔۔۔ کہ تم کہاں رہتے ہو ۔ گڑھی میں ؟

مُنّا نے کہا ۔ میرا کمرہ تو بہت بڑا ہے ، باپو ۔ جتنا ہمارا گھر تھا نا گاؤں میں ، اُس سے بھی بڑا ہے ۔ وہ کمرہ گڑھی کے پچھواڑے میں ہے ۔ اور اُس کی نشانی یہ ہے ، کہ اُس کی

پچھلی کھڑکی کے نیچے باغیچے میں سیب کا ایک درخت اُگا ہے۔ جس کی شاخیں کمرے کی کھڑکی تک پہنچتی ہیں۔ میں جب آیا تھا۔ تو پچھلی کھڑکی سے سیب کے درخت پر چھلانگ کر یہاں آیا تھا۔

بس بس! اب میں ڈھونڈ لوں گا! باپ نے منّا کو آخری بار گلے سے لگاتے ہُوئے کہا۔ میں روز آدھی رات کو آیا کروں گا۔ اور سیب کے درخت پر چڑھ کے چار بار تمہاری کھڑکی کھٹ کھٹاؤں گا!

تم جب تک نہیں آؤ گے باپو۔ مجھے نیند نہیں آئے گی۔ میں رات بھر تمہارا انتظار کروں گا۔

باپ بیٹا آخری بار ایک دُوسرے سے گلے مل کر ایک دُوسرے سے رُخصت ہُوئے۔ منّا درّے سے نکل کر واپس گڑھی کی طرف بھاگتا ہُوا جا رہا تھا۔ آج وہ بہت خوش تھا۔ آج اُس نے درّے کا بھوت دیکھ لیا تھا۔ اور بھوت نے سچ مچ اُس کی جھولی موتیوں سے بھر دی تھی۔ آج اُس کا باپ اُسے واپس مل گیا تھا۔ اور جس بیٹے کو اُس کو اُس کا کھویا ہُوا باپ واپس مل جائے، اُس کی جھولی موتیوں سے

تو گیا۔ ہیرے جواہرات سے بھر جاتی ہوگی۔

اُس روز رات کو مُنّا کو نیند نہیں آئی۔ وہ آج وقت سے پہلے ہی اپنے کمرے میں آ گیا تھا۔ کنولا نے اُس سے بہت اِصرار کیا تھا۔ کہ کھانا کھا کے وہ تھوڑی دیر تک کھیلیں گے، یا ایک دُوسرے کو کہانیاں سُنائیں گے۔ مگر منّا آج نہیں مانا۔ وہ نیند کا بہانہ کر کے جلدی اپنے کمرے میں آ گیا۔ اور چٹخنی چڑھا کر روشنی گُل کر کے بستر پر لیٹ گیا۔ اَور اپنے باپ کا اِنتظار کرنے لگا۔

جب آدھی رات اِدھر ہُوئی، آدھی رات اُدھر ہُوئی۔ تو کھِڑکی کو کسی نے چار بار کھٹکھٹایا۔ مُنّا نے بڑی احتیاط سے کھڑکی کھولی۔ اَور جب اُسے اطمینان ہو گیا کہ اُس کا باپ ہی ہے۔ تو اُس نے پُوری کھِڑکی کھول دی اَور منّا کا باپ اَندر آ گیا۔ منّا نے جھٹ سے پھر کھڑکی بند کر کے چٹخنی لگا دی۔ اَب باپ اَور بیٹا، دونوں گڑھی میں اکیلے کمرے میں تھے۔

آہا! منّے کے باپ نے سپرنگ والے بستر پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ یہ بستر تو بڑا گُد گُدا اور مزے دار ہے۔ مَیں تو

پتھروں پر سوتے سوتے تنگ آگیا ہوں ۔ آج اِس بستر پر خُوب نیند آئے گی ۔ مگر نیند کیسے آئے گی ۔ مَیں تو سخت بھُوکا ہُوں !

مُنّا نے بستر کے قریب پڑے ہُوئے ٹیبل لیمپ کو روشن کیا ۔ منّا کے باپ نے دیکھا ۔ کہ سفید سفید پیالیوں میں طرح طرح کے کھانے اُس کے لیئے رکھے ہُوئے ہیں ۔ ایسے کھانے جو اُس نے زندگی میں آج تک کبھی نہ چکھے تھے ۔ وہ سب کھانے آج اُس کے سامنے تھے !

باپ کی بھُوکی للچائی ہوئی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں ۔ وہ بڑی مُشکل سے بولا ۔ یہ سب میرے لئے ہے ؟

مُنّا نے کہا ۔ مَیں نے بہانہ کرکے آج رات کا کھانا اپنے کمرے میں منگا لیا تھا ۔ اب ہم دونوں اِسے کھائیں گے ۔

دونوں باپ بیٹے مِل کر کھانا کھانے لگے ۔ باپ کبھی کھانے کی تعریف کرتا ۔ کبھی چینی کے سفید سفید برتنوں کو دیکھ کر خوش ہوتا ۔ آخر اُس سے رہا نہیں گیا ۔ اُس نے مُنّا سے پُوچھ لیا ۔

یہ کیا چیز ہے ؟

یہ چینی کے برتن ہیں!

بہت خوبصورت ہیں! کتنے سفید اور چٹے اور ملائم!

ہاں بابو۔ آج کل لوگ انہی برتنوں میں کھانا کھاتے ہیں۔ پیتل کی تھالی میں کھانا نہیں کھاتے ہیں۔ جیسے ہم لوگ اپنے گاؤں میں کھاتے ہیں!

سب پیسے کا کھیل ہے! باپو نے اک آہ بھر کے کہا۔ پھر وہ کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ کیونکہ وہ بہت بھوکا تھا۔ تھوڑی دیر میں باپ بیٹے نے مل کر سب کھانا صاف کر دیا۔ چینی کی پلیٹیں اب ایسی صاف تھیں۔ جیسے ان میں کبھی کھانا رکھا ہی نہ گیا ہو۔ باپ نے جلدی سے چینی کی پلیٹیں اٹھائیں۔ اور کمرے کے ایک کونے میں بجا کے پٹخ دیں۔ یکایک زور سے چٹاخ کی آواز ہوئی۔ اور بہت سی پلیٹیں چھن سے ٹوٹ گئیں۔ باپ بڑا حیران ہوا۔ یہ کیا ہو گیا؟ تو منا نے اسے بتایا۔ یہ چینی کی پلیٹیں ہیں۔ انہیں بہت احتیاط سے رکھا جاتا ہے! بہت آہستہ سے فرش پر رکھا جاتا ہے:

مگر میں نے تو انہیں بس فرش ہی پر رکھا تھا۔ کہ یہ ٹوٹ گئیں!

ہاں یہ بڑی نازک ہوتی ہیں باپو!

باپو نے خفا ہو کے کہا۔ یہ کیسے برتن ہیں تمہارے؟ ہمارے لئے تو وہی پیتل کی تھالی اچھی۔ جسے سو بار زمین پر پٹخو۔ پھر بھی نہیں ٹوٹتی۔ ہونہہ! ایسی خوبصورتی بھی کس کام کی۔ کہ ذرا ہات لگانے سے جھنجھ کر ٹوٹ جائے!

خیر اب جانے دو باپو! چلو اب سو جائیں۔

ہاں۔ مجھے بہت صبح واپس جانا ہو گا۔ منہ اندھیرے میں نکل جاؤں گا۔ کہیں کوئی دیکھ نہ لے!

وہ لوگ ابھی اس طرح باتیں کر ہی رہے تھے۔ کہ دروازے پر زور زور سے کھٹ کھٹ ہوئی۔ منّا نے وہیں سے چلّا کر پوچھا۔ کون ہے؟

میں ہوں کنولا! دروازے کے اُدھر سے کنولا بولی۔

منّا نے اِدھر اُدھر دیکھ کر اپنے باپ سے کہا۔ جلدی سے بستر کے نیچے چھپ جاؤ۔

مُنّا کا باپ جلدی سے پلنگ کے نیچے جا کے دبک گیا۔ مُنّا نے اُٹھ کر جلدی سے دروازہ کھولا۔ کنولا کا کمرہ مُنّا کے کمرے سے لگا ہُوا تھا۔ وہ بولی۔

"تم کس سے باتیں کر رہے تھے ؟

باتیں ؟ مُنّا ذرا گھبرا گیا۔

ہاں، مَیں نے کچھ ایسا سُنا۔ جیسے تم کسی سے باتیں کر رہے ہو۔

ارے نہیں۔ مُنّا نے جلدی سے ہنس کر کہا۔ وہ تو مَیں اپنے آپ سے باتیں کر رہا تھا!

اپنے آپ سے باتیں ؟ کنولا ذرا حیرت سے بولی۔

جی ہاں، اپنے آپ سے باتیں!—مَیں—مَیں —تمہارے لئے ایک کہانی یاد کر رہا تھا۔

اچھی کہانی ہے ؟—وہی سُناؤ! کنولا خوشی سے تالی بجا کے بولی۔

ابھی پُوری یاد نہیں ہو سکی۔ یاد کر کے سُناؤں گا! کل سُناؤں گا۔

یکایک کنولا کی نگاہ ٹوٹے ہوئے برتنوں پر پڑی۔

ارے یہ برتن کیسے ٹوٹے ؟

منّا نے کہا ۔ مجھ سے ٹوٹ گئے ۔ ہیں —— میرا پاؤں پھسل گیا تھا ۔ چھن سے سارے برتن ٹوٹ گئے ۔

تمہیں کہیں چوٹ تو نہیں آئی ۔ کنولا نے فوراً پوچھا ۔ اُس کے لہجے میں تشویش تھی !

جی نہیں ! منّا نے ہنس کر کہا ۔ میں چینی کی مٹی کا بنا ہُوا نہیں ہوں ۔ گاؤں کا لڑکا ہُوں !

اچھا سُنو ۔ کنولا نے کہا ۔ مجھے نیند نہیں آرہی ہے ۔ اِس لئے آؤ ۔ بڑا ریچھ چھوٹی مُنّی کا کھیل کھیلیں ۔ وہ کہانی تمہیں یاد ہے نا ۔ جب چھوٹی مُنّی جنگل میں راستہ بھُول کر غلطی سے ریچھ کے گھر میں داخل ہو جاتی ہے ۔ اور ریچھ کا سارا کھانا کھا جاتی ہے ۔ اور جب ریچھ آتا ہے ۔ تو وُہ ڈر کے مارے اُس کے بستر کے نیچے چھُپ جاتی ہے ! —— یاد ہے نا !

ہاں یاد ہے !

بس وُہی کھیل کھیلیں گے ۔ میں چھوٹی مُنّی بنوں گی ۔ تم ریچھ بن کر باہر سے آؤ ۔ دروازہ کھٹ کھٹاؤ ۔

تمہارے آتے ہی میں اِس کے نیچے چھُپ جاؤں گی!

مُنا نے اُسے جلدی سے روک کر کہا۔ جی نہیں۔ آدھی رات کے وقت ہم کوئی کھیل نہیں کھیلیں گے۔ اور اگر تمہارے پِتا جی سُن لیں گے۔ کہ ہم لوگ آدھی رات تک جاگ رہے تھے۔ تو ہم دونوں کو ماریں گے!

نہیں۔ ہم تو رِیچھ مُنّی کا کھیل کھیلیں گے! کنولا نے ضد کرتے ہُوئے کہا۔ تم رِیچھ بنو، مَیں مُنّی۔ مَیں تمہارے پلنگ کے نیچے چھُپ جاؤں گی۔

کنولا پلنگ سے اُتر کر جھُک کر چھُپنے ہی کو تھی۔ کہ منّا نے کہا۔ ہمارے پلنگ کے نیچے بچھّو ہیں!

ہائے بچھّو! —— کنولا چھلانگ مار کر دَوڑ کر کمرے سے باہر چلی گئی۔

مُنّا نے کہا۔ ہاں تین بچھّو ہیں، اَور دو چُوہے ہیں۔

ہائے دو چُوہے بھی ہیں!

ہاں۔ آؤ۔ رِیچھ مُنّی کا کھیل کھیلیں! آؤ۔ کنولا۔ مُنّا نے کنولا کو پکڑ کر کہا۔

نہ جی ۔ تم ہم کو معاف کرو ! کنولا اُس سے ہات چُھڑا
کر اپنے کمرے میں بھاگ گئی ۔ اور اندر جاتے ہی اُس
نے کھٹ سے اپنا دروازہ بند کر لیا ۔

مُنا ہنستا ہُوا اپنے کمرے میں چلا آیا ۔ اور بستر
کے نیچے آواز دے کے آہستہ سے کہنے لگا ۔

باہر نکل آؤ ، باپو ۔ اب رات بھر اِدھر کوئی نہیں
آئے گا ۔

مُنّے کا باپُو ڈرتے ڈرتے پلنگ کے نیچے سے نکلا ۔
اور مُنّے کی شریر اور چمکتی ہُوئی آنکھیں دیکھ کر کہنے
لگا ۔ تُم واقعی بہت شریر ہو چُکے ہو ۔ اور بہت عقلمند ۔
میں تو سمجھتا تھا ، آج ہی پکڑا جاؤں گا !

مُنّے نے کہا ۔ اب آرام سے سو جاؤ باپُو ۔ اب رات
بھر یہاں کوئی نہیں آئے گا ۔

اُس کے بعد باپ بیٹا دونوں آرام سے ایک دُوسرے
کے گلے میں باہیں ڈال کر سو گئے !

---

(۸)

رات کے تیسرے پہر مُنّا کو ایسا محسوس ہُوا۔ جیسے اُسے کوئی سوتے سے اُٹھا رہا ہے۔ مُنّا گھبرا کر اور ڈر کر جاگ گیا۔ اور زور سے بولا۔ "کون ہے؟"

اُس کے باپ نے اُس کے مُنہ پر ہات رکھ دِیا۔ اور پھر آہستہ سے بولا۔ ہیش، شور مت کرو۔ مَیں اب جاتا ہوں۔ تھوڑی دیر میں صبح ہونے والی ہے۔

مُنّا نے کھڑکی کھول کر دیکھا۔ نیچے باغ میں ابھی اندھیرا تھا۔ آسمان کالا سیاہ اور چاروں طرف گہری خاموشی۔

مُنّا نے کہا۔ ابھی تو آدھی رات کا وقت ہے باپُو۔ ابھی مت جاؤ۔ مُنّا نے اپنے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

نہیں، اَب مجھے جانا چاہیئے۔ تھوڑی دیر میں روشنی ہو جائے گی۔ پھر لوگ مجھے پہچان لیں گے۔

اِتنے میں کہیں دُور سے کوئی مُرغ بولا۔

سُنتے ہو؟ باپُو نے اُس آواز کی طرف مُنّا کا دِھیان

دِلایا.....

گاؤں میں کوئی پہاڑی مُرغ بول رہا ہے۔

اب مجھے جانے دو۔

کل پھر آؤ گے نا باپو؟ مُنّا نے اپنے باپ سے لپٹ کر کہا۔

ہاں بیٹیا ضرور آؤں گا۔

بڑی مشکل سے مُنّا نے اپنے باپ کو اپنے آپ سے جُدا کیا۔ منّا کا باپ کھڑکی سے سیب کے درخت پر کُود گیا۔ منّا اُسے دیکھتا رہا۔ اُس کا باپ سیب کے درخت سے نیچے کے زمین پر کُود گیا۔ اب وہ ایک سیاہ سائے کی طرح ایک درخت سے دُوسرے درخت کی آڑ لیتا ہُوا گوشی کے پچھواڑے سے گزر رہا تھا۔ کہ ایک جگہ پتھر سے ٹھوکر کھا کر گر پڑا۔ اُس کے گرنے کی آواز سُن کر باغ میں گھومنے والے چوکیدار نے زور سے پُکارا۔ کون ہے؟

مُنّا کے باپ کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ڈر کے مارے اُس نے اپنا ہات اپنے مُنہ پر رکھ لیا۔

جدھر گرنے کی آواز آئی تھی۔ چوکیدار اُس طرف بھاگا۔

اُسے اپنی طرف آتے دیکھ کر مُنّا کا باپ جو اب تک دم سادھے پڑا تھا ۔ یکایک گھبرا کر اُٹھا ۔ اور بھاگنے لگا۔ چوکیدار نے شور مچایا ۔ چور ! چور !!

چونکہ اس سے پہلے گڑھی کے قریب سے کنولا کو ڈاکو اُٹھا لے گئے تھے ۔ اس لئے کنولا کے باپ کی درخواست پر اب گڑھی کا پہرہ بھی رہتا تھا ۔ اس لئے چوکیدار کی آوازیں سُن کر پولیس کے سنتری بھی لالٹین اور ٹارچیں لے کر چوکیدار کی مدّد کو آ گئے ۔

چوکیدار چلّا رہا تھا ۔ پولیس ! پولیس ! چور ! چور کو پکڑو ۔

چاروں طرف بھگدڑ سی مچ گئی ۔ پولیس کا نام سُن کر مُنّا کا باپو اور بھی تیزی سے بھاگنے لگا ۔ وہ ایک تاریک سائے کی طرح گھنے درختوں کے نیچے سے بھاگتا جا رہا تھا ۔ کہ اتنے میں اُسے ہاتھ سے جاتے دیکھ کر پولیس کے ایک سنتری نے اپنی بندوق سیدھی کی ۔ اور زور سے کہا ۔ "ہالٹ ۔ ورنہ گولی مار دُوں گا !"

مُنّا کا باپ اور بھی تیزی سے بھاگا ۔ اب وہ تیر کی طرح بھاگا جا رہا تھا ۔

پولیس کے سنتری نے بندوق کندھے پر رکھ کر نشست سیدھی کی، اور تاک کر نشانہ کیا۔

یکایک منا اپنی کھڑکی میں کھڑا زور سے چلّایا۔ مت مارو۔ اسے مت مارو، یہ میرا باپُو ہے!

مگر بندوق کی گولی چل چکی تھی۔ تاریک سایہ درختوں میں ایک لمحے کے لئے لڑکھڑایا۔ پھر دھڑام سے زمین پر گر پڑا۔

ہائے میرا باپُو۔ منا نے زور سے چیخ ماری اور کھڑکی سے سیب کے درخت پر سے کُود گیا۔

سیب کے درخت سے کُود کر منا تیز سے بھاگا جا رہا تھا۔ پولیس کے سنتری بھی اُدھر بھاگ رہے تھے۔ جدھر منا کا باپ گرا تھا۔ تھوڑی دیر میں پولیس کے سپاہیوں اور گڑھی کے چوکیداروں نے منا کے باپ کے گرد گھیرا ڈال لیا۔

منا تیزی سے بھاگا آرہا تھا۔ وہ پولیس کا گھیرا توڑکر اندر گھس گیا۔ اور اپنے باپ سے جا کے لپٹ گیا۔ اور روتے روتے بولا۔ باپُو! باپُو!!

منا کا باپ آہستہ سے اُٹھا۔ اُس نے پہلے تو دونوں

باتوں سے اپنے جسم کو اچھی طرح سے دیکھا۔ خیریت ہوئی۔ گولی اُسے نہیں لگی تھی۔ اُس کے کان کی لو کے قریب سے گزر گئی تھی۔ بس اُس کے کان کی لو اُڑ گئی تھی۔ اور وہاں سے خون بہہ رہا تھا۔ مگر اس کے علاوہ مُنا کا باپ بالکل صحیح و سلامت تھا۔

بیٹے! بیٹے!! مَیں بالکل ٹھیک ہُوں۔ مَیں مرا نہیں۔ دیکھ لو۔ مَیں زندہ ہُوں!

باپُو! باپُو!! مُنا اپنے باپ کے گلے سے لپٹ کر رونے لگا۔

یکایک پولیس کے ایک سنتری نے مُنا کے باپ کو پہچان لیا۔ ارے یہ تو مادھو پور گاؤں کا خُونی ہے۔ ٹھاکر سنگھ جو اپنے گاؤں سے اپنی بیوی کا قتل کر کے بھاگا تھا!

یہ خُونی نہیں ہے۔ مُنا زور سے چلایا۔ یہ میرا باپ ہے۔ اس نے کوئی خون نہیں کیا ہے۔ یہ بے گُناہ ہے!

پولیس کے سنتری نے مُنا کو کھینچ کر اُس کے باپ سے الگ کیا۔ اور اُس کے ہاتوں میں ہتھکڑی پہنا کر بولا۔ اب اس بات کا فیصلہ تو عدالت کرے گی۔ کون خُونی ہے؟ کون

خُونی نہیں ہے ؟ لیکن اگر یہ خونی نہیں ہے۔ تو پھر یہ بھاگا کیوں ؟

اِتنے میں شور سُن کر کنولا کا باپ اَور کنولا بھی اُس جگہ پہنچ گئے۔ متا نے رو رو کر کنولا کے باپ سے کہا۔ میرا باپ خُونی نہیں ہے ! اُس نے کوئی خُون نہیں کیا۔ میرے باپ کو چُھڑا دو۔ سیٹھ جی !

مگر سیٹھ جی بے بس تھے، اَور کنولا بھی بے بس تھی۔ اَور اس میں بھی کوئی شُبہ نہ تھا کہ متا کا باپ حراست سے بھاگا تھا۔ اور پولیس اُسے چاروں طرف ڈھونڈ رہی تھی۔ اب وہ پکڑا گیا تھا۔ اور جب تک عدالت فیصلہ نہ دیدے۔ اور متا کے باپ کی بے گناہی ثابت نہ ہو جائے۔ اُسے کوئی پولیس کے ہاتوں سے چُھڑا نہ سکتا تھا۔

کنولا کے باپ نے مُتا کو تسلّی دیتے ہوئے کہا۔ گھبراؤ نہیں مُتا ! اگر تمہارا باپ بے گُناہ ہے، تو ہم ضرور تمہارے پتا جی کو عدالت سے چُھڑا لیں گے !

مگر متا کی اس بات سے تسلّی نہ ہُوئی۔ وہ زور زور سے روتا تھا۔ اَور کہتا تھا۔ میرے باپ کو چھوڑ دو۔ میرے باپ

کو چھوڑ دو۔

لیکن یہ تو قانون کا معاملہ تھا۔ اور جہاں قانون کا معاملہ آجائے۔ وہاں کسی کی کوئی پیش نہیں چلتی۔ اس لئے پولیس کے لوگ منّا کے باپ کو دھکیل کر پولیس چوکی میں لے گئے۔ اور اُسے حوالات میں بند کر دیا۔

دُوسرے دن پولیس کے سپاہی اور تھانے دار بھاگے ہُوئے خُونی کو لے کر بڑے شہر جانے کے لئے تیار ہو گئے۔ اِدھر منّا بھی تیار ہو گیا۔ اُس نے ضد کر لی۔ کہ جہاں اُس کا باپ جائے گا۔ وہاں وہ بھی جائے گا۔ کنولا بھی منّا کے باپ کی مدد کرنا چاہتی تھی۔ اُس نے اپنے باپ کو منا لیا، کہ وہ لوگ بھی بڑے شہر چلیں۔ اور عدالت میں منّا کے باپ کا مقدمہ لڑیں۔

چنانچہ دُوسرے دن ادھر پولیس کے لوگ منّا کے باپ کو لے کر بڑے شہر روانہ ہُوئے۔ تو اُن کے ساتھ ساتھ منّا اور کنولا اور کنولا کا باپ اور اُن کے نوکر چاکر بھی شہر کو روانہ ہو گئے۔ بڑے شہر میں سیٹھ کی ایک عالی شان کوٹھی تھی۔ کنولا اور کنولا کا باپ منّا کو لے کر

اُس کو کوٹھی میں ٹھہر گئے۔ اور منّا کے باپ کو شہر کی حوالات میں بند کر دیا گیا۔

شہر دیکھنے کا مُنّا کے لئے یہ پہلا موقعہ تھا۔ مگر اُس کا دل تو اپنے باپ کے مقدمے میں اُلجھا تھا۔ اس لئے مُنّا کے لئے شہر کے نظاروں میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کنولا نے اُسے موٹر دکھائی، پکّی سڑک دکھائی، بجلی کی روشنی دکھائی، ریل گاڑی دکھائی۔ مگر منّا سب کچھ دیکھ کر آہ بھر کر رہ جاتا۔ اور آنکھوں میں آنسو بھر کر کہتا۔ میرا باپ بے قصور ہے! اُس نے میری ماں کو نہیں مارا۔ میرا دِل کہتا ہے۔ اُس نے میری ماں کو نہیں مارا!

کنولا کے باپ نے مقدمہ لڑنے کے لئے اور منّا کے باپ کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لئے شہر کا سب سے وکیل کر لیا۔ وکیل چار مہینے تک مقدمہ لڑتا رہا۔ مگر منّا کے باپ کے خلاف سب حالات اور واقعات اور ساری گواہیاں تھیں۔ اور کسی طریقے سے اُس کی بے گناہی ثابت نہ ہوتی تھی۔ اس لئے عدالت نے

اپنا فیصلہ منا کے باپ کے خلاف دیتے ہوئے اُسے پھانسی کا حکم سُنا دیا۔

کنولا کے باپ نے شہر کی بڑی عدالت میں اس فیصلے کے خلاف اپیل کی۔ مگر وہ اپیل بھی خارج ہو گئی۔

پھر پھانسی کی تاریخ بھی مقرر کر دی گئی۔ یہ طے پایا کہ ٹھاکر سنگھ کو آج سے سات دِن بعد یعنی دیوالی سے ایک روز پہلے شہر کے بڑے جیل خانے میں پھانسی پر چڑھا دیا جائے گا۔

عدالت کا فیصلہ ہوتے ہی منا کی موسی اور اُس کے گھر والے شامو نے منا کو اپنے قبضہ میں لینے کی بہت کوشش کی۔ منا کی موسی عدالت کے سامنے روئی پیٹی۔ گڑ گڑائی۔ اُس نے درخواست گذاری۔ کہ منا اُس کی بہن کا بچہ ہے۔ اس لئے اُسے اِس کے ساتھ گاؤں بھیج دِیا جائے۔ مگر منا کسی طرح ان کے ساتھ جانے کے لئے تیار نہ ہوا۔ وُہ کنولا اور اُس کے باپ کے ساتھ رہنا چاہتا تھا۔ ناچار عدالت نے شامو اور اُس کی بیوی کی درخواست رَد کر دی۔ اور منا کو کنولا کے باپ کی تحویل میں دے دِیا۔ اور

اور متا کی موسی اور اُس کا گھر والا شامو واپس اپنے گاؤں چلے گئے۔ مُتا کو اس بات کا بڑا غصّہ تھا۔ کہ کیوں اُس کی اپنی موسی نے اُس کے باپ کے خلاف بیان دیا۔ جس میں یہ بتایا گیا تھا۔ کہ متا کا باپ اپنی بیوی سے ہمیشہ جھگڑتا رہتا تھا۔ اور اُسے اکثر جان سے مار دینے کی دھمکی دیتا رہتا تھا۔ اور شامو نے اپنی بیوی کے بیانات کی تائید کی تھی۔ در اصل اِن دونوں بیانات کی وجہ ہی سے عدالت کا شُبہ ٹھاکر سنگھ پر بڑھ گیا تھا۔ اور عدالت میں مُقدمہ سُننے والوں اور جیوری کے لوگوں کو بھی یقین ہو گیا تھا۔ کہ ہو نہ ہو۔ ٹھاکر سنگھ ہی نے اپنی بیوی کا خون کیا ہے۔ اور مُتا کو اِس لئے غصّہ تھا۔ کہ وہ جانتا تھا۔ کہ یہ سب بیان بالکل جھُوٹے ہیں۔ اُسے اچھی طرح سے معلوم تھا۔ کہ اُس کا باپ اُس کی ماں کو کتنا چاہتا تھا۔ اس نے آج تک کبھی مذاق ہی مذاق میں بھی ایک چانٹا تک اپنی بیوی کو نہ مارا تھا۔ پھر ایسا آدمی اُس کی ماں کو جان سے کیسے مار سکتا تھا۔ اِس لئے اُس نے اپنی موسی اور شامو کے ساتھ واپس گاؤں جانے سے انکار کر دیا

تھا۔

عدالت کا آخری فیصلہ سُن کر شامو اور اُسکی بیوی خوشی خوشی اپنے گاؤں لوٹ گئے۔ اور اُن کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ آج سے سات روز کے بعد ٹھاکر سنگھ کو پھانسی ہو جائے گی۔ اور متا تو نابالغ ہے۔ اس لئے متا کے باپ کی زمین اور گھر اور بھیڑ بکریاں، بیل گائے سب کچھ اُن کے ہات آئے گا۔ وہ دونوں بے حد خوش تھے۔ گاؤں میں پہنچ کر اُنہوں نے اچھا سا کھانا کھایا۔ اور متا کی موسی نے رات کو سونے سے پہلے پھر شامو کو یاد دلایا۔

اَب میں چاندی کے کڑے تم سے ضرور لوں گی!

چاندی کے نہیں سونے کے لے لینا۔ مگر ذرا ٹھاکر سنگھ کو پھانسی تو ہو جانے دو۔ جب سب سامان قانونی طور پر ہمارے قبضے میں آجائے گا۔ تو پھر کسی چیز کی کمی نہ رہے گی۔

مگر متا تو رہے گا۔ موسی آہستہ سے بولی۔ رُک رُک کر سوچتے ہوئے بولی۔ اُس کے ماں باپ مر گئے۔ تو کیا ہوا۔ آخر اُس کے باپ کی زمین اُس کی ہے۔ اُسی

کی رہے گی۔

شامُو زور سے ہنسا۔ بڑے خوف ناک طریقہ سے ہنسا۔ بولا۔ جب اُس کے ماں باپ نہ رہے، تو وہ کیا رہے گا؟ دیکھنا ایک دِن، تم سُن لوگی۔ کہ مُنا بھی اس دُنیا سے چل بسا۔ تم شام سنگھ کو نہیں جانتی ہو؟

مُنّا کی موسی حالانکہ بڑی لڑاکی عورت تھی۔ مگر اس وقت شام سنگھ کو دیکھ کر اُسے بھی اُس سے خوف محسوس ہُوا۔ اَور وہ ڈر کے مارے سہم کر چُپ ہو گئی۔ اور دبک کر اپنے بستر میں سو گئی!

ٹھاکر سنگھ کی پھانسی میں صرف پانچ دِن رہ گئے تھے۔ جب بڑے سیٹھ کو کسی کام سے اپنی گڑھی میں جانا پڑا۔ وہ دونوں بچّوں کو اپنی بڑی کوٹھی میں نوکروں کے سُپرد کر کے روانہ ہو گیا۔ اُس نے نوکروں کو تاکید کر دی تھی۔ کہ کسی صورت میں اِن دونوں بچّوں کو ایک لمحے کے لیئے اکیلا نہ چھوڑا جائے۔ خاص طور پر اُسے مُنّا کا بہت خیال تھا۔ جو ہر وقت روتا رہتا تھا۔ اور اُداس ایک کونے میں پڑا رہتا۔ مُنّا اِن دِنوں میں سُوکھ کر کانٹا ہو گیا تھا۔

نہ اُسے بھوک لگتی تھی، نہ اُسے اپنے کپڑوں کا خیال تھا۔ اُس کا خیال بار بار اُسی طرف جاتا تھا۔ جہاں جیل خانے کی کال کوٹھڑی میں اُس کا باپ زندگی کی آخری گھڑیاں گِن رہا تھا۔

دِن گزُرتے گئے۔ موت کی گھڑی قریب آتی گئی۔

ایک دِن گزُر گیا۔

دُوسرا دِن گزُر گیا۔

تیسرا دِن گزُر گیا۔

چوتھا دِن آ گیا۔

کل صبح مُنّا کے باپ کو جیل کی چار دیواری میں پھانسی دے دی جائے گی۔

کنولا کے باپ نے مُنّا کے باپ کو بچانے کے لئے ہر ترکیب لڑائی تھی۔ مگر کوئی ترکیب کامیاب نہ ہُوئی تھی۔ ہر گواہی، ہر بیان، ہر ثبوت، ہر واقعہ ٹھاکر سنگھ کے خلاف جاتا تھا۔ اور یہی ثابت کرتا تھا۔ کہ مُنّا کے باپ ہی نے مُنّا کی ماں کو قتل کیا ہے!

اب مُنّا کے باپ کی موت ہی صرف چند گھنٹے باقی رہ

گئے تھے۔

منّا کو آخری ملاقات کے لیئے اُس کے باپ سے بلا دیا گیا۔

رو رو کر منّا کی آنکھیں سُوجی ہُوئی تھیں۔ اور اُس کی آواز بیٹھ گئی تھی۔ اور اپنے باپ کی گود میں بیٹھ کر تھر تھر کانپ رہا تھا۔ اُس کا باپ بھی رو رہا تھا۔ اور اپنے بیٹے کے آنسُو پُونچھتا جا رہا تھا۔ اور اُس سے کہتا جا رہا تھا۔ بھگوان ساکشی ہیں مَیں بے قصور ہُوں۔ مَیں بالکل بے قصُور ہوں! افسوس اِس بات کا ہے۔ کہ بے گُناہ مارا جا رہا ہُوں! بھگوان ساکشی ہیں!

مُنّا نے تڑپ کر کہا۔ باپُو، اگر تم بے گُناہ ہو۔ تو بھگوان کیوں نہیں سُنتے! وہ تمہیں کیوں نہیں بچا لیتے۔ یہ کیسے بھگوان ہیں۔ جو ہم غریبوں کی نہیں سُنتے! باپُو! باپُو!!

یہ بھی اُس کی لیلا ہے! اَن پڑھا کِسان بے بس ہو کر بولا۔

باپُو! مُنّا اپنے باپ کے گلے سے لپٹ کر بولا۔ تمہارے بجائے اگر وہ مجھے پھانسی دے دیں۔ تو کیا تم بچ سکتے

ہو؟

باپ نے زور سے اُپنے بچّے کو گلے سے چمٹا لیا۔ روتے روتے بولا۔ بھگوان نہ کرے۔ تمہیں کُچھ ہو جائے۔ میرے بعد میرے خاندان کے نام لیوا ایک تم ہو۔ میرے کُل کو چلانے والے صرف ایک تم ہو۔ مَیں تو مرتے مرتے بھی یہی دُعا مانگوں گا۔ کہ تمہاری عمر لمبی ہو۔ اور جو انیائے مجھ سے ہوُا ہے۔ وہ تم سے کبھی نہ ہو؟

تھوڑی دیر کے بعد ملاقات کا وقت ختم ہو گیا۔ اور جیل کے وارڈر نے آکے منّا سے کہا۔ اَب تم جاؤ۔

آخری بار ٹھاکر سنگھ نے اپنے بیٹے کو پیار کیا۔ اپنے پیارے کتے ڈبّو کے سر پر ہات پھیرا۔ جو منّا کے ساتھ آخری بار اپنے مالک سے مِلنے کے لئے آیا تھا۔ ڈبّو بھی اپنے مالک کو چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ اور بار بار دُم ہِلا کر اور زبان نِکال کر اُپنے مالک کے پاؤں چاٹتا تھا۔ اور پھر ایک طرف کو مُنہ کرکے بڑی حسرت سے روتا تھا۔ شائد کُتّے کو بھی معلوم ہو گیا تھا۔ کہ اُس کے مالک کی آخری گھڑی آن پہنچی ہے!

بڑی کوشش کے بعد بلکہ آخر میں زبردستی سے کام لے کر ہی وارڈر نے مُنّا اور ڈُبّو کو ہٹا کر سنگھ سے جُدا کیا۔ اور اُنہیں جیل سے باہر پہنچایا۔ جہاں کنولا اپنی موٹر میں بیٹھی اُن دونوں کا اِنتظار کر رہی تھی۔

جب کنولا واپس جانے کے لئے موٹر چلانے لگی۔ تو منّا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ ارے تم خود موٹر بھی چلا لیتی ہو؟

تھوڑا تھوڑا آتا ہے، مجھے موٹر چلانا! ڈرائیور سے سیکھتی رہتی ہوں۔

مگر تم چلاتی ہو، تو مجھے ڈر لگتا ہے۔ مُنا آہستہ سے بولا۔ تم ڈرائیور سے کہو، وُہی گاڑی چلائے!

کنولا نے منّا کی بات مان لی۔ کنولا اور منّا کا آپس میں اِتنا پیار بڑھ گیا تھا۔ کہ دونوں مشکل سے ایک دُوسرے کی بات ٹالتے تھے۔ چنانچہ کنولا نے گاڑی روک دی۔ اور ڈرائیور کی سیٹ سے اُٹھ کر منّا کے پاس جا بیٹھی۔ اور گاڑی پھر ڈرائیور ہی چلائے!

منّا آخر بچّہ ہی تو تھا۔ تھوڑی دیر کے لئے وہ کنولا

کو موٹر چلاتے دیکھ کر اپنے باپ کو بھول گیا تھا ۔ مگر جب کنولا اُس کے پاس آ کے بیٹھ گئی ۔ اور اُس نے متا کا ہات ہی پکڑ لیا ۔ تو پھر متا کو اپنا باپ یاد آگیا ۔ اور بے اختیار اُس کی آنکھوں میں آنسو اُمڈ آئے ۔

تمہارے باپو کیا بولتے تھے ؟ کنولا نے پُوچھا ۔

مُتا چپ رہا ۔ ٹپ ٹپ اُس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے !

کنولا نے اُسے تسلی دیتے ہُوئے بھولپن سے کہا ۔ تمہارے باپو بہت اچھے ہیں ۔ وہ بھگوان کے پاس جائیں گے ۔ وہ سُورگ میں جائیں گے !

مگر مجھے وہ اکیلا چھوڑ کر کیوں جا رہے ہیں ۔ اس طرح! پہلے ماں گئی ۔ پھر باپ گیا ۔ کیوں ؟ —— کیوں ؟

کنولا چُپ ہو گئی ۔ وہ کیا جواب دے ۔ کوئی بھی اس سوال کا کیا جواب دے سکتا ہے !

تھوڑی دیر کے بعد سیٹھ کی کوٹھی آ گئی ۔ اور دونوں بچے گاڑی سے اُتر کر اُس کے اندر چلے گئے ۔

دن گُزر گیا ۔ شام ہو گئی ۔ پھر رات آگئی ۔ آج

ایک لمحے کے لئے بھی کنولا نے منّا کا ساتھ نہیں چھوڑا۔ سائے کی طرح وہ اُس کے ساتھ لگی رہی۔ رات کے کھانے پر بھی اُس نے بہت زور مارا۔ مگر منّا سے ایک لقمہ تک نہ کھایا گیا۔ اور وہ کچھ کھائے پیئے بغیر ہی اپنے بستر میں منہ چھپا کے لیٹ گیا۔ کنولا اس کے قریب ایک آرام کرسی پر لیٹ گئی۔ کنولا سے منّا کا دُکھ دیکھا نہ جاتا تھا۔ مگر وہ کس طرح اُس کی مدد کرے۔ یہ اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا۔ اِس لئے وہ چُپ چاپ بیٹھی منّا کی طرف ہمدردی بھری خاموش نگاہوں سے دیکھتی رہی۔ بار بار اُس کی اپنی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔ اور وہ آہستہ سے آنسو پونچھ لیتی۔

منّا آخر بچّہ ہی تو تھا۔ روتے روتے اُس کی آنکھ لگ گئی۔ اور سوتے سوتے اُس نے ایک سپنا دیکھا۔ اُس نے دیکھا۔ کہ ایک بہت بڑا کمرہ ہے۔ اُس میں ایک چارپائی پڑی ہے۔ اور اُس چارپائی پر اُس کی ماں رسیوں بندھی بین کر رہی ہے۔ اور اُس سے کہہ رہی ہے:۔

ننھّے ننّھے مُنّے

میرے بیٹے پیارے پیارے

آؤ آؤ آؤ

میری جان بچاؤ

سات تھم کا کمرہ ہے

کالا کالا بھنورا ہے

لال ناچ کا راجہ ہے

اُلٹے ہات پر باجہ ہے

آؤ آؤ آؤ

میری جان بچاؤ

آتا ہوں ماں! ابھی آتا ہوں، ماں! کہہ کر مُنّا زور زور سے چلّا پڑا۔ یکایک اُس کی آنکھ کھُل گئی۔ اور اُس نے دیکھا، کہ نہ وہ کمرہ ہے، نہ چارپائی ہے، نہ اُس کی ماں ہے۔ بلکہ وہ سیٹھ کی کوٹھی میں اپنے بستر پر پڑا ہے۔ اور اُس کے سامنے کنولا آرام کرُسی پر بیٹھی بیٹھی سو گئی ہے!

مُنّا کا سارا جسم پسینے میں تر بتر تھا۔ مُنّا نے جلدی سے کنولا کو جگایا۔

کنولا! کنولا!!

گیا ہے ؟

سُنو - ابھی ابھی مجھے ایک سُپنا آیا ہے !

کوئی ڈراؤنا سُپنا ہو ، تو مجھے مت سُناؤ -

نہیں — منا اِتنا کہہ کر رُک گیا - پھر کچھ سوچ سوچ کر بولا - عجیب بات ہے - ایک دفعہ یہی سُپنا اس سے پہلے بھی میں نے دیکھا تھا -

کہاں ؟

اپنے گاؤں میں - جس روز میری ماں کا خُون ہُوا تھا -

کیسا سُپنا تھا یہ -

مَیں نے دیکھا - ایک بہت کمرہ ہے - اُس میں ایک چارپائی ہے - اُس چارپائی پر میری ماں رسیوں سے بندھی پڑی ہے - اور مجھے مدد کے لئے پکار رہی ہے !

کیا کہتی تھی تمہاری ماں !

وُہ کہتی تھی ... مُنّا یاد کر کے اُسے بتانے لگا -

دھیرے ... دھیرے -

نھنے مُنّے نھنے مُنّے

میرے بیٹے پیارے پیارے

آؤ آؤ آؤ

میری جان بچاؤ

کنولا نے کہا۔ مگر مرے ہوئے کی جان کوئی کیا بچا سکتا ہے؟

منّا نے کہا۔ پھر وہ بولی :۔

سات تھم کا کمرہ ہے

کالا کالا بھنورا ہے

لال تاج کا راجہ ہے

اُلٹے ہات پر باجہ ہے

آؤ آؤ آؤ

میری جان بچاؤ

منّا نے کہا۔ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے۔ جیسے ماں ابھی تک مجھے مدّد کے لیئے بُلا رہی ہے!

اور یہ خواب تم کو دوسری دفعہ آیا ہے؟ کنولا نے پُوچھا :

ہاں۔

بالکل اسی طرح !

بالکل اِسی طرح ! ـــــ بہت دِن ہوئے۔ اپنے گاؤں میں اِسی طرح مَیں نے یہ خواب دیکھا تھا۔ پہلے تو بھول گیا تھا۔ اب سب یاد آرہا ہے۔

کنولا نے سوچ سوچ کر پُوچھا۔ تمہارے گاؤں میں کوئی لال تاج کا راجہ ہے ؟

نہ راجہ۔ نہ وزیر۔ ہمارے گاؤں میں تو سب کسان بستے ہیں !

"اُلٹے ہات پر باجہ ہے" ـــــ کنولا نے پھر دُہرایا۔ ....تم نے کہیں اُلٹے ہات پر باجہ دیکھا ہے ؟

کیا باتیں کرتی ہو ؟ منّا ذرا غصّے سے بولا۔ اُلٹے ہات کا باجہ کیا ہوتا ہے ؟ میری تو سمجھ میں کچھ نہیں آتا۔

ٹھہرو ـــــ کنولا نے اپنی گال میں ایک اُنگلی دبا کر کہا۔ تمہارے گاؤں میں ـــــ بھی ـــــ کوئی سات کھمّ کا کمرہ ہے !

نہیں ـــــ ارے وہاں تو سب جھونپڑے ہیں ! ـــــ سب ایک یا دو کمرے ہوتے ہیں۔ اور سات کھمّ تو کہیں

نہیں ہیں ۔

ٹھہرو ! یکایک متا کچھ یاد کر کے اُچھل پڑا ۔ مندر کے شوالے میں جہاں دیوتا کی مُورتی رکھی ہے ۔ وہاں پتھر کے سات بڑے بڑے تھم ہیں ۔

مندر کے شوالے میں ؟ یکایک کنولا دِلچسپی سے چِلّا پڑی۔ وہاں سات ستون کا کمرہ ہے ؟—— تب تو ہمیں فوراً وہاں جانا چاہیئے ۔

ہاں ۔ ضرور جاؤں گا ! وہاں ضرور کوئی بات ہو گی !

مَیں بھی تمہارے ساتھ چلوں گی ۔

مگر یہاں سے ہم وہاں تک جائیں گے کیسے ؟ اس گھر کے باہر کیسے نکلیں گے ؟ پتاجی پہرہ بِٹھا گئے ہیں ۔

وہ سب سو رہے ہوں گے ۔ رات کو کون جاگتا ہے ۔

ہم آہستہ سے پچھلا دروازہ کھول کر باہر چلیں جائیں گے ۔

مگر گاؤں تک پہنچیں گے کیسے ؟ متا نے پھر مایُوسی سے کہا ۔ گاؤں تو شہر سے بہت دُور ہے !

کنولا نے چُٹکی بجا کر کہا ۔ تم فکر مت کرو ۔ مَیں تمہیں اپنی موٹر میں بٹھا کے لے چلوں گی !

تم موٹر چلاؤ گی ؟ متنا نے حیرت سے پُوچھا۔

نہ چلاؤں ؟

نہیں نہیں ضرور چلاؤ ۔ متنا نے جلدی سے کہا۔ ضرور چلاؤ ۔ اور کوئی طریقہ ہی نہیں ہے ۔ چلو ، جلدی چلیں ۔

تھوڑی دیر کے بعد متنا اور کنولا دونوں تیار ہو کے گیراج کے باہر کھڑے تھے ۔ گیراج کے ایک طرف ڈرائیور گہری نیند میں سو رہا تھا ۔ کنولا نے ہر ہوشیاری سے اُس کی جیب سے گیراج اور موٹر کی چابی نکالی ۔

مگر یکایک کنولا سہم کر بولی ۔ موٹر نکالیں گے ۔ تو ڈرائیور جاگ جائے گا !

جاگ جائے گا تو کیا ہو گا ۔ وہ پیدل تو ہمارے پیچھے دوڑ نہیں سکتا ۔ جب تک وہ کسی دوسری موٹر کو حاصل کرے گا ۔ جب تک تو ہم بہت دُور نکل جائیں گے ۔

وُہی ہُوا ۔ جب اُدھم سے موٹر گیراج سے باہر نکلی ۔ تو ڈرائیور ہر بڑا کر جاگا ۔ اور چلاّ کر موٹر کے پیچھے بھاگا ۔ چور ۔ چور کہکر ڈرائیور زور سے چلاّیا ۔ مگر گاڑی کو تھی

سے باہر نکل گئی تھی۔ اور چونکہ یہ کوٹھی شہر سے ذرا باہر واقع تھی۔ اس لیئے راستے میں کہیں پولیس کی چیکنگ کا ڈر بھی نہ تھا

کنولا دھیرے دھیرے بڑی ہوشیاری سے گاڑی چلا رہی تھی۔ کیونکہ اُسے گاڑی چلانا ابھی ٹھیک طرح سے آتا بھی نہ تھا۔ مگر مِتا بہت بے چین ہو رہا تھا۔

جلدی چلاؤ۔ جلدی چلاؤ۔

اور اگر گاڑی کی کسی دوسری گاڑی سے ٹکر ہو گئی، یا گاڑی کھڈ میں جا گری تو۔

کوئی پرواہ نہیں۔ بس تم جلدی سے گاڑی چلاؤ!

کنولا کو تو مِتا پر اِتنا بھروسہ تھا۔ کہ یہ سُنتے ہی اُس نے گاڑی کی رفتار ڈگنی کر دی۔ گاڑی خطرناک طریقہ سے موڑ کاٹتی، ہچکولے کھاتی، گڑھوں سے بال بال بچتی، شہر سے باہر جا رہی تھی۔

تھوڑی دیر میں گنگاپور آگیا۔ یہاں پر آکر موٹر روڈ ختم ہو جاتی تھی۔ آگے کچا رستہ تھا۔ یہاں سے مادھوپور بیس میل دُور تھا۔ اب یہاں سے مادھوپور کیسے جائیں؟

کہیں سے سواری کے لیئے گھوڑے ڈھونڈے جائیں۔ کنولا نے سوچ سوچ کر کہا۔

جب تک صبح ہو جائے گی! منا نے فوراً کاٹا۔

پھر کیا کریں؟

اسی موٹر کو کچے راستے پر لے جائیں۔ اگر چھکڑا چل سکتا ہے اس جگہ، تو کیا موٹر نہیں چل سکتی؟

نہیں موٹر نہیں چل سکتی؛ کنولا سر ہلا کے بولی۔

کیسے نہیں چل سکتی! تم چلاؤ تو۔ میں تمہارے ساتھ بیٹھا ہوں۔ منا نے جواب دیا۔

کنولا نے موٹر تو کچے راستے پر ڈال دی۔ مگر بولی۔ ایکسی ڈنٹ ہو جائے گا۔ تم دیکھ لینا ہم دونوں مر جائیں گے!

نہیں مریں گے۔ نہیں مریں گے۔ تم چلاؤ تو ——— منا بڑی بے صبری سے بولا۔

گاڑی ہچکولے کھاتی ہوئی کچے راستے پر چلنے لگی۔ راستے میں ایسے دھکے لگتے تھے۔ کہ کئی بار گاڑی اُلٹتے اُلٹتے بچی۔ کئی بار منا اور کنولا سیٹوں پر اُچھل کر ایک دوسرے سے ٹکرا جاتے تھے۔ راستے میں کئی بار کسانوں کے چھکڑے ملے۔ جن سے ٹکراتے ٹکراتے یہ لوگ بچے۔ مگر کسی نہ کسی طرح سے یہ لوگ گاؤں کے نزدیک آتے جا رہے تھے۔ آدھا راستہ کٹ گیا۔ لیکن جب گاؤں میل بھر رہ گیا تو موڑ کاٹتے ہوئے گاڑی

ایک بہت بڑے گڑھے میں پھنس گئی ۔

کنولا اور منا دونوں گاڑی سے باہر نکلے ۔ کنولا گاڑی دیکھنے لگی۔

چھوڑو! چھوڑو ۔ منا نے جھلّا کے کہا ۔ جان بچی ، لاکھوں پائے۔

اب بھاگو مندر کے شوالے کو ۔

منا نے کنولا کا ہات پکڑ لیا ۔ رات کی سردی کے کارن کنولا

اپنا چھوٹا اور کوٹ پہن کے آئی تھی ۔ پھر بھی سردی سے کانپ رہی تھی۔

اس نے ایک ہات منا کے ہات میں دے دیا ۔ دوسرا اپنے بڑے کوٹ

کی بڑی جیب میں چھپا لیا ۔ تاکہ سردی نہ لگے ۔

دونوں بچے بھاگتے ہوئے شوالے کی طرف جا رہے تھے ۔

شوالے کے دوار پر دونوں پجاری گنگا رام اور جمنا رام سوئے

پڑے تھے ۔ دونوں بچے اُن کے اوپر سے پھلانگ کر شوالے کے اندر

چلے گئے ۔

شوالے کے اندر کا کمرہ جہاں مورتی رکھی تھی ۔ واقعی بہت بڑا

تھا ۔ چھوٹے چھوٹے طاقچوں میں دیوی دیوتاؤں کی بہت سی

مورتیاں پتھر کی دیواروں میں ابھری ہوئی کھڑی تھیں ۔ مندر میں چراغ

جل رہے تھے ۔ اور سامگری سلگ رہی تھی ۔ مگر ہر طرف خاموشی تھی۔

منا اور کنولا نے پہلے تو جھک کر مورتی کو پرنام کیا ۔ پھر ادھر

اُدھر دیکھنے لگے۔ کنولا نے گن کر کہا۔ ہاں، واقعی یہاں سات تھم پتھر کے ہیں!

منّا اور کنولا نے گھوم گھوم سات تھموں کو دیکھا۔ مگر اُنہیں وہاں کچھ نظر نہ آیا۔ اور بس شوالے میں بھی ایک کمرہ تھا۔ اور یہاں پر نہ کوئی چارپائی تھی، نہ اُس کی ماں رسیّوں سے بندھی تھی۔ مائیوس ہو کر منّا اور کنولا واپس پلٹنے لگے تو یکایک کنولا کی نگاہ دیوار پر کھُدی ہوئی پتھر کی ایک تصویر پر پڑی۔ یہ شکنتلا کی تصویر تھی۔ جو جنگل میں گھاس پر لیٹی اپنے وِشِشت کو خط لکھ رہی تھی۔ اور ایک کالا بھنورا اُس کے چہرے کے گرد اُڑ رہا تھا۔

کیا کہا تھا ماں نے؟ کنولا نے جلدی سے منّا سے پُوچھا۔

مُنّا نے دُہرایا:- سات تھم کا کمرہ ہے

کالا کالا بھنورا ہے!

ہائے یہ کیسی عجیب بات ہے منّا۔ کنولا بولی۔ دیکھو یہ سات تھم کا کمرہ ہے۔ اور اس تصویر میں یہ کالا کالا بھنورا ہے!

دو باتیں تو سچ نکلیں، منّا نے سوچتے ہوئے کہا۔ اور پھر غور سے اس تصویر کو دیکھنے لگا۔ جیسے اس تصویر میں اپنی ماں کو ڈھونڈ رہا ہو۔ مگر یہ تو شکنتلا کی تصویر تھی جس کے خوبصورت گالوں پر بھنورا ناچ رہا تھا۔

منّا نے پتھر کی تصویر پر ہات پھیرتے پھیرتے بھنورے کو اپنی اُنگلی میں پکڑا، تو یکایک وہ تصویر غائب ہوگئی۔ اَور جہاں تصویر تھی۔ وہاں پتھر کی دیوار میں ایک دَروازہ کُھل گیا۔

حیرت سے منّا اَور کنولا کے مُنہ کُھلے کے کُھلے رہ گئے۔

ڈرتے ڈرتے منّا اَور کنولا نے اُس دروازے کے اَندر جھانک کر دیکھا، تو اُنہیں پتھر کی سیڑھیوں کی ایک لمبی قطار نظر آئی، جو دُور نیچے تک جاتی تھی۔ اَور جہاں پر یہ پتھر کی سیڑھیاں ختم ہوتی تھی، وہاں پر پتھر کا ایک دروازہ بنا ہُوا تھا۔ اور دُور سے بہت چھوٹا سا دِکھائی دیتا تھا۔

کنولا بولی۔ ہائے مُجھے تو اب ڈر لگتا ہے۔

منّا نے اُس کا ہات تھام لیا اَور بولا۔ یہاں تک آئے ہیں تو اب آگے بھی چلیں گے!

جونہی وہ لوگ دروازے کے اَندر داخل ہوئے۔ دَروازہ خود سے بند ہوگیا۔ اب سیڑھیوں پر بالکل اندھیرا تھا۔ وہ دونوں ٹٹولتے ٹٹولتے نیچے اُتر رہے تھے۔ یکایک کنولا کو کچھ یاد آیا۔ اَور اُس نے اپنی جیب سے ایک ٹارچ نکالی اَور اُس کی روشنی میں دونوں نیچے اُترنے لگے۔

یہ زینہ بہت پُرانا۔ سینکڑوں سال پُرانا معلوم ہوتا تھا۔ اس کے دونوں طرف دیواروں پر بھی دیوی دیوتاؤں کی مُورتیاں کُھدی ہوئی تھیں۔ زینہ اُتر

کے جب وہ لوگ آخر پتھر کے دروازے پر پہنچے۔ تو انہوں نے اس دروازے کو بالکل بند پایا۔ اب معلوم ہوتا تھا۔ جیسے یہ دروازہ سینکڑوں سال سے نہیں کھُلا۔ جیسے یہ دروازہ نہیں ہے صرف دروازے کی تصویر ہے۔ جو پتھر کی دیوار پر کسی سنگ تراش نے بڑی خوبصورتی سے بنائی ہے۔ اس دروازے کے چاروں طرف کالے کالے بھنوروں کا ایک ڈنجیر سی تھی۔

دیکھو لو، کالے بھنورے یہاں بھی ہیں! کنولا بولی۔

مگر لال تاج کہاں ہے؟ متا مایوسی سے بولا۔ اور وہ اُلٹے ہات کا باجا کدھر ہے؟

جب متا مایوسی سے پلٹا، تو یکایک اُس کی نگاہ سرسوتی دیوی کی مُورتی پر پڑی۔ جس کے ہات میں دُنیا تھی۔

یہ کیا ہے؟ متا نے کنولا سے پُوچھا۔

کنولا نے ایک دم گویا چیخ کر کہا۔ یہ مُورتی تمہارے اُلٹے ہات پر ہے نا۔

ہاں ہے تو اُلٹے ہات پر! متا اُسے اشارے بتا کے بولا....

اور ہاں ــــ ارے ہاں ــــ دیکھو تو کنولا۔ اس دیوی کے ہات میں باجہ بھی ہے، اور وہ بھی سیدھے ہات پر نہیں اُلٹے ہات پر ہے....

کنولا اور متا دیر تک مُورتی کو اِدھر اُدھر سے دیکھتے رہے۔ دنیا

کو بڑے غور سے ٹٹولتے رہے، مگر اُنہیں کہیں کچھ نہ مِلا۔ ہار کر اور گھبرا کر منّا نے دیوی کے چرنوں میں سر رکھ دیا۔ اور بولا۔ بتا دو، دیوی مجھے بتا دو۔ وہ لال تاج کہاں ہے؟ وہ لال تاج اگر مِل جائے گا۔ تو شاید اِس پہیلے کا سارا بھید مجھ پر کھُل جائے گا! بتا دو دیوی۔

منّا جب دیوی کے چرنوں میں گر گیا۔ اور جب اُس نے اپنا ماتھا دیوی کے چرنوں سے رگڑا، تو ایک زور کا کھٹکا ہُوا۔ اور دنیا کے اندر کی ایک کمانی کھِسک گئی۔ اور اُس میں ایک سُوراخ نظر آیا۔ لیکن سُوراخ اِتنا چھوٹا تھا۔ کہ اس میں ایک مُشکل سے ایک ہات ہی اندر جا سکتا تھا۔

منّا اُس سُوراخ میں ہات ڈالنے ہی والا تھا کہ کنولا نے اُسے روک دیا۔ اُس نے پہلے اپنی ٹارچ کی روشنی اُس تو سُوراخ کے اندر پھینکی۔ اور جھک کر اُس روشنی میں اندر دیکھنے لگی۔

دنیا کے اندر کیا ہے؟ منّا نے بڑی دلچسپی سے پُوچھا۔

کچھ نہیں۔ بس ایک چابی ہے! کنولا بولی۔

منّا نے جلدی سے کنولا کو پرے ہٹایا۔ اور ہات ڈال کر چابی باہر نکال لی اور جب اُسی چابی کو ٹارچ کی روشنی میں دیکھا۔ تو معلوم ہُوا، کہ یہ چابی سونے کی ہے۔ اور اس چابی کے اُوپر ایک لال تاج بنا ہُوا ہے!

ہا! لال تاج! کنولا حیرت سے چلائی۔

ہا! لال تاج!!

گویا ایک دم سے سیڑھیوں کے چاروں طرف کی مورتیاں بول پڑی - دراصل یہ کنولا کی آواز کی گونج تھی۔ جواب لوٹ کر اُس کے کانوں میں آکر بولتی۔ مگر ایک لمحے کے لیے تو بے چاری لڑکی ڈر گئی!

متا نے کہا۔ کوئی دوسرا یہاں نہیں ہے۔ تمہاری آواز کی گونج تھی۔ آہستہ بولو۔

چابی ہات میں لے کر دونوں بچے پتھر کے دروازے کی طرف بڑھے۔ متا نے دروازے کے سوراخ میں چابی ڈال کر جو اُسے گھمایا۔ تو گھوم کر اُس دروازے کا ایک پٹ دیوار میں گھس گیا۔

دونوں بچے جب اندر داخل ہوئے۔ دبے قدموں چلتے ہوئے اندر آئے۔ تو انہوں نے کیا دیکھا۔ کہ ایک بہت بڑا کمرہ ہے۔ اُس کمرے کے ایک کونے میں چارپائی ہے۔ اور اُس چارپائی پہ ایک عورت رسیوں سے بندھی ہوئی کراہ رہی ہے!

ماں! متا زور سے چلایا۔ اور دوڑ کر چارپائی کی طرف بڑھ گیا۔ ماں! تم زندہ ہو! ماں! میری ماں! متا اپنی ماں

سے لپٹ کر رونے لگا۔

میرے بیٹے! میرے لال!! ماں اُسی طرح لیٹے لیٹے کیونکہ اُس کے دونوں ہات پاؤں بندھے ہوئے تھے۔ خوشی سے اپنے بچے کا مُنہ چومنے لگی۔

جلدی جلدی کنولا اور ممتا نے رسیاں کھول ڈالیں۔ اور ماں کو آزاد کیا۔ ماں نے اُنہیں اپنی رام کہانی سُنائی کس طرح اس کی اپنی بہن کے خاوند نے اسے پکڑ کے یہاں زبردستی قید کر دیا تھا۔ کبھی دوسرے تیسرے دن آ کے وہ مجھے یہاں کھانا بھی دے جاتا تھا۔ مگر مجھے آزاد نہیں کرتا تھا۔ اور میری سمجھ میں اب تک یہ نہ آیا تھا کہ کیوں اُس نے مجھے یہاں قید کر رکھا ہے!

ماں! میں تم کو بتاتا ہوں۔ موسا شامو ہماری زمین پر قبضہ کرنا چاہتے تھے۔ اُن کی سازش یہ تھی کہ وہ تم کو یہاں تہہ خانے میں قید کر کے تمہارے خون کا الزام پتاجی پر لگا کر ان کو پھانسی پر چڑھوا دیں۔ اور پھر تم کو اسی تہہ خانے میں بھوکا مار دیں۔ اُس کے بعد میں ایک چھوٹا سا بچہ رہ جاتا۔ وہ مجھے بھی مار ڈالنے کی فکر میں تھے۔ مگر وہ خونی اور ظالم نہیں جانتے کہ بچوں کا دل کتنا بڑا ہوتا ہے ماں!

ماں نے اپنے بیٹے کا منہ چوم کے کہا۔ ہاں بیٹا۔ تو بڑا بہادر ہے! مگر تیرے ساتھ یہ کون ہے؟

یہ کنولا ہے ماں! ——— میری دوست ہے۔ اس نے میری بڑی مدد کی ہے! یہ نہ ہوتی، تو میں یہاں تک پہنچ بھی نہ پاتا!

ماں نے کنولا کے سر پہ ہاتھ پھیرا۔

یکایک منا کو کچھ یاد آیا۔ اس نے فوراً گھبرا کر کہا۔

ماں اب جلدی سے یہاں سے چلنا چاہیئے۔ فوراً..... باپو کو صبح پھانسی ہونے والی ہے!

پھانسی؟ ہائے کیوں؟ ماں گھبرا کر بولی۔

تمہارے خون کے جرم میں! منا بولا۔ شامو موسا جی نے تم کو یہاں قید کر کے پتا جی پر تمہارے قتل کا جھوٹا الزام لگا کر انہیں قید کرا دیا۔ اور اگر ہم صبح سے پہلے شہر نہ پہنچے، تو پتا جی کو پھانسی ہو جائیگی۔ اور ہم پھر کسی طرح سے اُن کی جان نہ بچا سکیں گے۔

ماں گھبرائی ہوئی فوراً دروازے کی طرف بھاگنے لگی۔ بھاگتے بھاگتے یکایک رک گئی۔ دونوں بچے بھی رک گئے۔

دروازے پر شام سنگھ کھڑا تھا۔ منا کا موسا۔ اس کے کاندھے پر ایک تیز اور چمکتا ہوا کلہاڑا تھا۔ اور اُسکی آنکھوں سے گویا خون ٹپک

رہا تھا۔

بدمعاش! شام سنگھ نے منا کی طرف دیکھ کر بڑے غصے سے کہا۔ تو تم یہاں بھی پہنچ گئے؟ ــــ میں نے بڑی غلطی کی، جو تمہاری ماں کو زندہ چھوڑ دیا۔ اپنی بیوی کی بہن سمجھ کر۔ لیکن اب تم دونوں مجھ سے بچ کر نہیں جا سکتے۔ تم دونوں ماں بیٹا آج میرے ہات سے قتل ہو گے۔ اور صبح تمہارے باپ کو پھانسی ہو جائے گی۔ اس طرح خود بخود تمہارے خاندان کا صفایا ہو جائے گا۔ اور تمہاری ساری زمین میرے ہات آ جائے گی۔ ہا ہا؟

شام سنگھ نے کلہاڑا ہوا میں لہرایا، اور بڑے زور سے ہنسا۔ اس کی ہنسی بڑے خوفناک طریقے سے سارے تہ خانے میں گونج گئی۔ منا کانپ گیا۔ منا کی ماں فوراً آگے بڑھ گئی۔ اس نے جھک کر شام سنگھ کے پاؤں پکڑ لیے۔ اور رو رو کر بولی:-

مجھے مار ڈالو لیکن میرے بچے کو زندہ چھوڑ دو۔ بھگوان کے لیے۔ تمہارے پاؤں پڑتی ہوں!

مگر شام سنگھ نے اُسے لات مار کر پرے کر دیا۔ ماں لوٹتی ہوئی چکر کھا کر فرش پہ جا گری۔

شام سنگھ نے گرج کر کہا۔ آج تم دونوں بلکہ تم تینوں میرے

ہات سے بچکر نہیں جا سکتے۔ میں ایک ایک کو ختم کر دوں گا۔ مگر
چونکہ تم میری بیوی کی بہن ہو۔ اس لئے میں تمہارے سامنے تمہارے
بچے کو نہیں ماروں گا۔ پہلے تمہیں ماروں گا۔ پھر تمہارے بچے کو،
پھر اس لڑکی کو!

شام سنگھ نے مارنے کے لئے کلہاڑا اٹھایا۔ ماں اُٹھ کر بھاگی۔
کمرے میں دوڑی۔ مگر شام سنگھ نے اُسے پکڑ لیا۔ اور ایک زور کی لات
مار کر اُسے فرش پر پھر گرا دیا۔ اور پھر اُس نے ہوا میں اپنا کلہاڑا لہرایا۔

یکایک کنولا زور سے چلائی۔ ٹھہرو! شام سنگھ!

شام سنگھ نے مڑ کر دیکھا۔

کنولا اُس کے سامنے کھڑی تھی، اور اُسکے ہات میں پستول تھا یہ وہی
پستول تھا، جو اُس کا باپ ڈاکے کے بعد ہمیشہ اپنے سرہانے رکھتا تھا۔
اور جسے احتیاطاً کنولا اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

کنولا نے اپنے دانت پیس کر کہا کیونکہ اُسے اندر سے ڈر بھی
لگ رہا تھا۔ اور مارے ڈر کے اُس کے دانت کھٹکھٹا رہے تھے۔
مگر پھر بھی اُس نے اپنے ڈر کو دبا کر پستول کو مضبوطی سے اپنے ہات
میں پکڑ کر کہا:-

کلہاڑا چھوڑ دو، ورنہ میں ابھی گولی مار دوں گی!

ہا ہا ہا۔ تم مجھے گولی مار دو گی! ایک چھوٹی سی لڑکی! یہ کہتے ہُوئے شام سنگھ نے ایک قدم آگے بڑھایا۔

کنولا بڑی مضبوطی سے بولی۔ تم نے ایک قدم بھی اور آگے بڑھایا۔ اور مَیں نے تمہارے گولی ماری۔ یاد رکھو۔

کنولا نے اپنا ہاتھ پستول کی کمانی پر رکھ دیا۔

شام سنگھ وہیں کھڑے کا کھڑا رہ گیا۔ کنولا جلدی سے بولی۔ منّا تم ماں جی کو لے کر دروازے کے باہر کی سیڑھیوں پر چلو۔ فوراً چلو۔ مَیں اس کو یہیں روکتی ہُوں۔ اگر یہ ذرا بھی اپنی جگہ سے ہلا۔ تو مَیں اِسے گولی مار دُوں گی! کبھی نہیں چھوڑوں گی!

منّا ماں کو لے کر دَروازے سے باہر گیا۔ شام سنگھ غُصّے سے پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ مگر وہیں کا وہیں کھڑا تھا۔ ہائے اُس وقت اس چھوٹی سی لڑکی کے دِل میں اِتنی بہادری کہاں سے آ گئی تھی۔ کہ وہ ایک چٹان کی طرح مضبوط بن کر پستول تانے شام سنگھ کے سامنے کھڑی تھی۔

جب ماں اَور منّا دَروازے سے باہر نکل گئے۔ تو دھیرے دھیرے کنولا بھی ایک طرف کو ہٹی۔ اُسے ہٹتے دیکھ کر یکایک شام سنگھ اُس پر جھپٹ پڑا۔ مگر کنولا پھرتی سے اُچھل کر

دروازے کے باہر تھی۔

چابی گھماؤ - چابی گھماؤ. کنولا چلائی۔

منّا نے فوراً دروازے میں چابی گھمائی۔

شام سنگھ کلہاڑا اُٹھائے دروازہ کی طرف بھاگتا چلا آرہا تھا۔

دروازہ دھیرے دھیرے بند ہو رہا تھا۔

ایک جست لگا کر شام سنگھ نے دروازے کے باہر آنا چاہا۔ مگر عین اُس وقت دروازہ بند ہو گیا۔ اور اُس کا کلہاڑا پتھر کے دروازے سے ٹکرا کے فرش پر گر گیا۔

ماں بیٹا اور کنولا تینوں جلدی جلدی سے سیڑھیاں چڑھنے لگے۔ دروازہ کے اُس طرف شام سنگھ پتھر کے دروازے پر اپنے کلہاڑے سے حملہ کر رہا تھا۔ مگر کلہاڑا تو لکڑی کاٹ سکتا ہے۔ گوشت کاٹ سکتا ہے۔ پتھر نہیں کاٹ سکتا۔

سیڑھیاں چڑھ کے وہ لوگ پھر اُسی دیوار کے پاس پہنچے جس کے دوسری طرف شکنتلا کی تصویر تھی۔ لیکن اس طرف بھی اس بھنورے کی تصویر تھی۔ بھنورے کو پکڑ کر کھینچنے سے یہ دروازہ بھی کھُل گیا۔ اور تینوں شوالے کے بڑے ہال میں آ گئے۔ جو سات تھم والا کمرہ

تھا۔ اس کمرے سے بھاگتے ہوئے جب باہر نکلا۔ تو دیکھا کہ شوالے کے باہر بہت سے آدمی جمع تھے۔ پولیس کے لوگ اور کنولا کا ڈرائیور اور کنولا کا باپ اور اُن لوگوں نے مندر کے دونوں پجاریوں گنگا رام اور جمنا رام کو پکڑ رکھا ہے!

کنولا کا باپ شہر سے پولیس کی دو جیپیں بھر کر لایا تھا۔ اِنہی دو جیپوں میں جلدی جلدی سے سب لوگ واپس شہر پہنچے۔ جب شہر پہنچے، تو صبح ہو رہی تھی۔ اور ٹھاکر سنگھ کو ایک گھنٹے کے بعد پھانسی ہونے والی تھی۔

شہر پہنچ کر وہ لوگ سیدھے جج کے گھر گئے۔ ماں کو زندہ دیکھ کر اُسی وقت جج نے پھانسی روکنے کا حکم لکھا۔ حکم لے کر اُنہی جیپوں میں سب لوگ جیل خانے کے دروازے پر پہنچے۔ جلدی جلدی جیل خانے کا پھاٹک کھولا گیا۔ بھاگتے بھاگتے سب لوگ اُدھر گئے۔ جہاں قیدیوں کو پھانسی دی جاتی تھی۔

پھانسی میں صرف دو منٹ باقی تھے۔

ٹھاکر سنگھ پھانسی کے تختے پر کھڑا تھا۔ جلاد نے ریشم کی ڈوری اُس کے گلے میں ڈال دی تھی۔ اور اُس کے منہ پر غلاف چڑھا دیا تھا۔ اور اب ٹھاکر سنگھ اپنی زندگی کے آخری لمحوں میں

اپنے بھگوان کو یاد کر رہا تھا۔

جیل کے سپرنٹنڈنٹ نے رومال ہلا کر کہا۔ ایک

دو

ٹھہرو۔ منّا زور سے چلّاتا ہُوا آگے بڑھا۔ اُس کے ہات میں جج صاحب کا حکم نامہ تھا۔ اُس نے سپرنٹنڈنٹ صاحب کے ہات میں جلدی سے وہ حکم نامہ دیا سپرنٹنڈنٹ نے وہ حکم پڑھ کر جلّاد کو اشارہ کیا کہ وہ مُجرم کو پھانسی کے تختے سے اُتار لے۔

جب ٹھاکر سنگھ کو پھانسی کے تختے سے اُتارا گیا۔ اور اُس کے مُنہ پر سے غلاف ہٹا لیا گیا۔ تو اُس نے دیکھا کہ اُس کی بیوی جسے وہ مُردہ سمجھ رہا تھا۔ اُس کے پاؤں سے چمٹی ہوئی ہے۔ اور اُس کا بچہ اُس کی ٹانگ پکڑے رو رہا ہے۔ اور اُس کا کُتا ٹیپو اُس کے گرد خوشی سے چیخ چیخ کر چلّا رہا ہے!

اپنے بے قصور باپ کو آخر کار اُس کے بہادر بیٹے نے موت کے مُنہ سے بچا لیا تھا! سب لوگ ایک دُوسرے سے گلے ملنے لگے کنولا اور سیٹھ اور ٹھاکر سنگھ اور منّا اور اُس کی ماں۔ خوشی کے مارے جیل کے وارڈروں اور سپرنٹنڈنٹ صاحب کی آنکھوں

میں بھی آنسو آ گئے۔ کیونکہ آج ایک ننھے بچے کی بہادری سے ایک بے گناہ انسان کی جان بچ گئی تھی!

شام سنگھ اور اُس کی بیوی کو جیل ہو گئی۔ اُس کے ساتھی گنگا رام اور جمنا رام بھی پکڑے گئے۔ اِن کے خلاف یہ ثبوت بھی مل گیا۔ کہ یہ سب لوگ اندر اندر پہاڑی ڈاکوؤں کے مددگار تھے۔ اور مندر کے خفیہ تہ خانے سے بہت سا چوری کا سامان بھی پکڑا گیا۔ ڈاکو بھی پکڑے گئے اور اُن کے ساتھی بھی۔ اور علاقے کے لوگ اَمن اور چین کی زندگی بسر کرنے لگے!

ٹھاکر سنگھ اپنی بیوی اور بچے کو لے کر پھر سے مادھو پور میں کھیتی باڑی کرنے لگا۔ سیٹھ نے مادھو پور میں منا کے کہنے پر ایک بہت بڑا سکول کھلوا دیا۔ جہاں منا اور کنول ساتھ ساتھ پڑھنے لگے اور لڑکپن کے خوبصورت اور معصوم دن ایک دوسرے کے ساتھ رہ کر گزارنے لگے۔